دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرة مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد — ۲۸
شمارہ — ۱
ربیع الثانی — ۱۴۱۳ھ
اکتوبر — ۱۹۹۲ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

بیاد
حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ

مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ناظم ۔ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵
کوڈ نمبر ۔ ۰۵۲۲۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/- پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نظریاتی وطن کے پیرہن کو "مذہب کا کفن" بنانے کی تیاریاں
شناختی کارڈ اور مسئلہ ختم نبوۃ، الحق کی اٹھائیسویں جلد کا آغاز
دینی حلقوں کی خدمت میں چند بنیادی معروضات

گذشتہ دو تین ہفتوں سے حکومتی پالیسی کی پیش رفت کے طور پر کئی اہم سرکاری شخصیتوں، وزیروں اور عہدیداروں کے مسلسل یہ بیانات آرہے ہیں کہ تحریک پاکستان کا مقصد نفاذِ شریعت اور اسلام نہیں تھا بعض عاقبت نااندیش دانشوروں اور کالم نویسوں سے باقاعدہ اس موضوع پر اخبارات میں مسلسل مضامین لکھواتے اور چھپواتے جارہے ہیں کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ قیادت کا نعرہ نہیں تھا یہ گلی کوچوں میں کھیلنے والے بچوں کی اختراع تھی ——

معلوم ہوتا ہے کہ حکمران ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ملک کے وفادار شہریوں سے وجود مملکت کی روحِ حیات بھی قبض کر لینا چاہتے ہیں، مگر یاد رہے سرزمین پاک محض ہمارا مسکن ہی نہیں یہ ہماری امنگوں کا مرکز اور ہماری تمناؤں کا محور بھی ہے یہ ہماری دوہری شناخت کا ذریعہ بھی ہے اور ہماری وجودی پہچان کا سبب بھی، اگر یہ وطن عام ممالک کی طرح ہوتا تو شاید اس سے ہمارا تعلق و واسطہ، رشتہ و ناطہ اور وابستگی اتنی گہرائی اور گیرائی کی حامل نہ ہوتی جتنی اب ہے۔ افکار و نظریات کی بنیادوں سے محروم وطن اپنے باسیوں کی اعتقادی عصبیت اور جذباتی لگاؤ جیسی صفات کی عدم موجودگی میں اپنے وجود کو یقینی بقا و تحفظ کی ضمانت نہیں دے پاتا یہ وطن ایک بے جان لاشے کی مانند ہوتا ہے، ایک ایسے ڈھانچے کی طرح جس میں روحِ حیات حلول ہی نہ کر سکی ہو، جس میں زندگی کی رمق ہی نہ ہو۔ جو اپنے باشندوں کی کوئی جہت متعین نہ کر سکے، انہیں جینے کا سلیقہ نہ بخش سکے اور ستیزہ کار رہنے کی تڑپ نہ دے سکے۔

اس کے بالمقابل نظریات کی ٹھوس بنیادوں پر استوار ہونے والے وطن میں روحِ حیات جاری و ساری ہوتی ہے یہ وطن اپنی دھرتی کے مکینوں کو ولولۂ تازہ عطا کرتا ہے، انہیں منزلِ آزادی تک پہنچنے کے لیے گرم دم جستجو بناتا ہے انہیں ظلمتِ شب میں بھی شعلہ ہائے قندیل کو اونچا کرنے، اس کی ضیاؤں کو دور دور تک پہنچانے کے لیے آمادہ ہی نہیں کرتا، جرأت رندانہ بھی بخشتا ہے یہ نظریاتی وطن، انہیں جرأتوں کا امین بناتا ہے، روشنیوں کی پیامبری کا

اہم فریضہ انہیں سونپتا ہے، باطل کے خلاف برسرپیکار رہنے کا حوصلہ ان میں پروان چڑھاتا ہے — پاکستان ہمارے لیے ایسا ہی وطن ہے — وہ وطن جو ہمیں ہمارے اسلامی تشخص کی حسی و وجودی حیثیت سے روشناس کراتا ہے اور دوسری جانب اقوام عالم میں جدید تصور ریاست کے حوالے سے ہماری پہچان قرار پاتا ہے۔

اس دوہری حیثیت و اہمیت کے پیش نظر پاکستان سے ہماری وابستگی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ یہ جڑیں کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء (اس پاک درخت کی طرح جس کی جڑیں زمین میں بہت پختہ ہوں اور شاخیں آسمان تک پہنچ چکی ہوں) کی مانند زمین میں تو بہت گہرائی تک یقیناً گئی ہیں لیکن اس وطن کی حیثیت محض ارضی نہیں آفاقی بھی ہے۔ یہ تو روح و جسم کا سنگھم ہے یہ تو دین و دنیا کا حسین امتزاج ہے یہ محض مادیت کا عکاس ہی نہیں، روحانیت کا ترجمان بھی ہے، اس حوالے سے پاکستان اگر ہماری مادی منزل ہے تو روحانی منزل تک پہنچنے کا ایک اہم سنگ میل بھی۔

اگر ہم اسی سنگ میل کو ہی منزل حقیقی جان کر دم سادھ لیں، جدوجہد سے کنارا کر لیں تو ہماری اُمنگیں اور آرزوئیں دم توڑ جائیں گی ہمارے سہانے خواب ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اسلامی فلاحی مملکت کا ہمارا تصور دھندلا ہو جائے گا تب یہ وطن، وہ وطن تو نہ ہوگا جس کی تمنا اسلامیان برصغیر کے دلوں میں مچلی تھی یہ وطن تو اقبال کے بقول کچھ ایسا ہوگا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اس ملک خداداد کے پیرہن کو "مذہب کا کفن" بنانے والے اس مکروہ عمل کے لیے جدوجہد کرنے والے کبھی بھی اس ملک کے دوست نہیں ہو سکتے، حب الوطنی کا انہیں سزاوار نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ لوگ خواہ فکری محاذ پر سرگرم عمل ہوں یا صحافتی میدان میں، سیاست ان کا پیشہ ہو یا سماج ان کی سازشوں کی آماجگاہ، یہ لوگ بہر طور ملک دشمن ہیں، ملت سے عناد ان کا طرہ امتیاز ہے اور اسلام دشمنی ان کی سیاہ جبینوں کا دہکتا تمغہ۔ یہ لوگ کسی بھی منصب پر فائز ہو جائیں، کسی بھی عہدے پر متمکن ہو جائیں، محب وطن قرار نہیں پا سکتے۔ ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اس ملک کو اس کی نظریاتی منزل کی جانب لے چلنے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں یا قدم بڑھا سکتے ہیں، چیخے چلاتے حقائق سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔

اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک میں اب کے جو باد سموم چلی ہے اس نے اپنے ماضی کو دہرانا شروع کر دیا ہے اسلامی احکام حرمت سود وغیرہ کے خلاف باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں کھلم کھلا تحریک چلائی جاتی، محمد عربیؐ کے دین اسلام کے مقابلے میں سرکاری شریعت گھڑی جاتی وہ نظریاتی منزل کے تقاضوں سے کیوں کر بہرہ ور ہو سکتی ہے جب تحریک چلے، امت متحد ہو تو شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کے اضافہ اور ختم نبوت کے مسئلہ پر گھٹنے ٹیک دیے جائیں اقرار و اعتراف اور اعلان کے باوجود پھر منظم تحریک کی شکل میں اسی فیصلے کے خلاف تحریک چلائی

جائے ۔ اُن سے یہ توقع کرنا کہ وہ خدمت اسلام کا کوئی ادنیٰ سا کام بھی بجا لائیں گے حماقت ہوگی اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ان سے صرف مطالبہ پر اکتفاء مزید حماقت، جس حکومت کی تمام تر مشینری دینی قوتوں کی کردار کشی، علماء اہل علم اور دینی مدارس کے نظام تعلیم و تربیت اور اسلامی نظام حکومت کو غیر منطقی قرار دینے کی مہم چلا رہی ہو اس کا اسلام بطور دین اعتقاد ہی مشکوک ہوتا ہے چہ جائیکہ نفاذِ اسلام و شریعت کی توقعات اس سے وابستہ کی جائیں گذشتہ ماہ سے مُلّا اور اسلام، مُلّا اور سیاست، مُلّا اور حکومت کے عنوان سے ارباب حکومت و ارباب سیاست جو گندی اور اوچھی زبان استعمال کر رہے ہیں دینی حلقوں کو اس کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے اور اسلام سے برگشتہ عناصر پہ واضح کر دینا چاہیے کہ وہ اس سرزمین پاک کو فکری انارکسٹوں کی پناہ گاہ نہیں بننے دیں گے ان کا مقابلہ ہر سطح پر کیا جائے گا اور صرف انہیں فکری میدان ہی میں نہیں عملی طور پر شکست فاش سے دوچار کرنے کی ٹھوس منصوبہ بندی کی جائے گی اور مکمل اتحاد و یگانگت کے ساتھ بھرپور جدوجہد کی جائے گی ۔

مناسب ہوگا کہ ہم یہاں ماہنامہ "الحق" کی اٹھائیسویں جلد اور سال نو کے آغاز میں دینی حلقوں کی خدمت میں بھی چند معروضات پیش کر دیں دینی شخصیات کسی بھی مکتب فکر سے منسلک ہوں دین سے اپنے تعلق کے ناطے ہمارے لیے واجب الاحترام ہیں وہ جس انداز میں جو بھی کام خالصتاً لوجہ اللہ سرانجام دیں وہ ہم سب کا مشترک سرمایہ ہے شرط ہے تو بس خالصۃً لوجہ اللہ ہونے کی، جو بظاہر معمولی ہونے کے باوجود بڑی کڑی شرط ہے —— اس پہ پورا اترنے کے لیے بہت سی چیزوں کی قربانی دینا ہوتی ہے —— اس بحث کو اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہوئے ہم دینی حلقوں سے بصد ادب و احترام یہ گذارش کریں گے کہ وہ خود احتسابی کے عمل کی افادیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے اس طرزِ عمل کا جائزہ لیں جو انہوں نے گذشتہ دو ڈھائی دہائیوں میں اس ملک میں اپنائے رکھا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اس عرصے میں بہت سے معرکے بھی سر کیے، انہوں نے تحریکیں بھی اٹھائیں اور کامیابی ان کا مقدر ٹھہری، ان کی قیادت میں ہی قادیانیوں کے ناسور کو ملت اسلامیہ کے جسد مطہر سے قانونی طور پر الگ کر دیا گیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ کی بے مثال تحریک میں ان کے فعال کردار نے تاریکیوں کو سمٹنے پر مجبور کر دیا اور اب وسطِ اکتوبر میں ملک میں نفاذ شریعت کی تحریک کے بظاہر ایک جزئی (مگر بہت اہم ضروری اور بنیادی) مسئلے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کے اجراء پر حکومت نے جو گھٹنے ٹیک دیئے یہ بھی تو دینی قوتوں ہی کے اتحاد کا ایک نقد ثمرہ ہے مگر یہ امر دینی قوتوں کے لیے لمحہ فکریہ کیوں نہیں بنتا کہ مکمل نفاذِ شریعت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں جب اس ملک کی تاریخ میں انہیں نسبتاً ضیاء الحق مرحوم کے دور، بے نظیر کے دورِ حکومت (جب شریعت بل سینٹ سے متفقہ طور پر منظور ہوا اور اسمبلی بھی چار و ناچار اسے منظور کرنے والی تھی) اور اب کا

دورِ حکومت دجو اسلام ہی کی اساس اور بلند بانگ دعووں پہ قائم ہوئی ہے) بہت زیادہ سازگار ماحول میسر کرسکتا ہے بے نظیر اور بے دین قوتوں کے اتحاد اور حکومت کے خلاف مستحکم اور مضبوط محاذ آرائی دینی قوتوں کو ایسے مواقع فراہم کر رہی ہے جن کی بدولت وہ حکومت کا حصہ یا پرزہ بنے بغیر بڑے طمطراق اور جرأت کے ساتھ اس ملک کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کو زیادہ نتیجہ خیز بنا سکتے ہیں کاوشیں زیادہ بار ہو سکتی ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کو بے دست و پا بنایا جا سکتا ہے ۔

اس سازگار ماحول میں کیا وہ اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا کرنے کے لیے تیار ہیں ؟ اگر شناختی کارڈ کے مسئلہ پر ایک قوت بن کر پوری عالمی طاقتوں اور بین الاقوامی دباؤ اور سازشوں کے باوصف اتحاد کے بل بوتے پر اپنا مطالبہ منوایا جا سکتا ہے تو پھر نفاذ شریعت کے مقدس مشن کی تکمیل کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے سے کون سی چیز مانع بن رہی ہے ؟ -

یہ امر بہر طور خوش آئند ہے کہ دینی حلقوں کا ایک سنجیدہ، معتدل اور صاحب درد طبقہ ان پر آشوب حالات میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے غافل نہیں برائیوں کی اصل جڑ اور اسلامی تعلیمات سے بغاوت کی حقیقی بنیاد کے خلاف ان کی جدوجہد جاری ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ " تیز ترک گام زن " کے مصداق جدوجہد کو تیز تر کیا جائے اس کا دائرہ کار وسیع تر کیا جائے پھر یقیناً " منزلِ ما دور نیست " والا معاملہ ہوگا۔ ان شاء اللہ

عبدالقیوم حقانی

الحاج ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی (برطانیہ)

دعوت اور عمل کا تلازم

عام طور پر یہ بات کہی جارہی ہے کہ دینی مدارس قائم ہیں، علماء کرام تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کو نصیحت فرمارہے ہیں، تبلیغی جماعت کے افراد دینی گشت و محنت کر رہے ہیں، اس کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ نکل نہیں رہا ہے بلکہ عام طور سے مسلمانوں کی دینی حالت کمزور ہوتی چلی جارہی ہے، اس کی وجہ اور علاج کیا ہے؟

اس کا جواب ایک جملہ میں دیا جاسکتا ہے کہ:۔

"آجکل کے واعظین اور مبلغین میں نہ تو اخلاص ہے اور نہ عمل! اور سامعین میں نہ طلب و تڑپ ہے اور نہ عمل کرنے کا شوق اور جذبہ"

اس لیے نہ کہنے والے کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ سننے والے کو (الّا ماشاء اللہ) حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ٥ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۵)	اور سمجھاتے رہیئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔ (مَرَجُ البحرین جلد ۲ صـ ۷۸۲)

اللہ تعالیٰ کا فرمان یقینی اور قطعی ہوتا ہے، اس میں شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں، قرآن کریم میں ادنیٰ شک کرنے والے کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے لیکن ہم دیکھ اور سُن وہی رہے ہیں جو اوپر مذکور رہے۔ حقیقت اور مشاہدہ قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہے، اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ سُناتا ہوں:۔

واقعہ یہ ہے کہ نہایت سردی کی ایک رات میں ایک صاحب بندہ کے مکان پر تشریف لائے اور انہوں نے وہی باتیں فرمائیں جو شروع میں درج کی گئیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ رہی ہے؟ (وہ تعجب سے میرا منہ تکنے لگے کہ بات کا موضوع کیوں بدل گیا؟ اور) انہوں نے کہا کہ میں سمجھا نہیں! مَیں نے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، مَیں نے دریافت کیا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ جو گرمانے والا ہیٹر لگا ہوا ہے، مَیں نے عرض کیا کہ بس یہی بات ہے، چونکہ اس وقت مکان سے باہر کا موسم نہایت سرد ہے لہٰذا گھر سے باہر قدم نکالتے ہی جو گرمی آپ یہاں گھر کے اندر محسوس کر رہے ہیں باہر کام نہ دے گی،

یہ معمولی سی گرمی جو آپ کے جسم و لباس تک محدود ہے، اس سے لوگوں کو تو کیا فائدہ پہنچتا چند سیکنڈ میں آپ خود بھی ٹھٹھر جائیں گے۔ عین اسی طرح مساجد کے اندر ایمانی و روحانی ماحول ہوتا ہے، فرشتوں کی قربت نصیب ہوتی ہے، موت اور آخرت کا ذکر ہوتا ہے، دل و دماغ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے اور عمل کی طرف شوق و جذبہ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ مساجد کے باہر کا ماحول نہایت پراگندہ اور ایمان سوز ہوتا ہے لہٰذا مسجد سے باہر قدم رکھتے ہی ہماری وہ حالت نہیں رہتی جو مسجد کے اندر رہتی ہے اور دینی باتوں کا اثر بہت جلد زائل ہوتا ہے۔

حضرت حنظلہؓ کا واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ[1] حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں حاضر تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہم پر ظاہر ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس جمع ہو گئے اور کچھ دُنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں تھی، دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے کس حال میں تھا اور اب میں آ کر کیا ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ تُو تو منافق ہو گیا کہ ظاہر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آ کر یہ حالت ہو گئی، میں اس پر رنج و افسوس کرتا رہا اور یہ کہتا ہوا گھر سے باہر نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا! سامنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لا رہے تھے، میں نے اُن سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا! وہ یہ سُن کر فرمانے لگے سبحان اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں، میں نے صورتحال بیان کی ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں (دوزخ و جنت) ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اُس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لیے دونوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے

---

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ لفظ صحابی پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ صُحبت ہی سے بنا ہے۔ صحابی حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وہی (بزرگ اور قابلِ احترام ہستیاں) ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ (علم پر عمل کیوں نہیں ہوتا؟ جلد ۲۱ ص ۸)

اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو منافق ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری بات سُنائی ..... تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں (تم سے) مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، گاہے گاہے" (حکایاتِ صحابہ ص۳۶)[1] ۱۲ ر

ف :- معلوم ہوا کہ انسان جس قدر زیادہ وقت نیک مجلسوں میں گذارے گا اور اخلاص و عمل کی نیت سے اللہ و رسول کی باتیں سُنے گا اس کی حالت سُدھرتی جائے گی اور دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ :-

"علم کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے اور عمل کے لیے تربیت کی ضرورت اور ان دونوں کے لیے صُحبت کی ضرورت ہے" (معرفتِ حق) ۱۲ ر

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخلاص، طلب و تڑپ اور عمل کی نیت سے اللہ و رسول کی باتیں سُنتے تھے اس لیے نفع یہ پہنچا کہ اپنی حالت پر غور کرنے لگے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا؟ اور ہم باوجودیکہ بیسیوں بار دینی مجالس میں بیٹھتے ہیں بلکہ دینی کاموں کے رُوحِ رواں کہلائے جاتے ہیں پھر بھی ہمیں کچھ نفع نہیں پہنچتا اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی ہے کہ نہ واعظین و مبلغین میں اخلاص اور عمل کا جذبہ ہے اور نہ سامعین میں۔

دعوت اور عمل کا جوڑ

دعوت و تبلیغ کا کام اور اس کے کام کرنے والوں میں عمل کا جوڑ نہایت ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک قلوب میں ترحم کا زبردست جذبہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ ہر ہر فرد و بشر کی نجات ہو اور اُن کا رشتہ اللہ ربّ العزت سے جُڑ جائے۔ اب کوئی شخص اس تڑپ و جذبہ کے ساتھ اس کام کو انبیاء کرامؑ کے پاک طریقوں اور صفات کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائیں گے،

---

[1] بعض حضرات اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس قدر زیادہ نیک صحبت حاصل کرتے رہوگے تمہاری حالت بدلتی جائے گی۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہٗ نے یہ مطلب فرمایا کہ: تمہارے لیے کبھی یہ حالت بہتر ہے اور کبھی وہ..... اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ بندہ کو ہر وقت استحضارِ تام ہی حاصل رہے ورنہ عمارتِ دُنیا کے کام کون کرے؟ اس لیے بندہ کی توجہ کو دوسری طرف لگا دیتے ہیں تاکہ دُنیا کے کام بھی چلتے رہیں۔ (نیک صُحبت)

چاہیے بظاہر ایک شخص بھی راہ ہدایت پر نہ آیا ہو اور نہ آتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دیتے تھے۔
سب سے بڑی خوبی انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے یہ ہے کہ انسان اپنے اندر انبیاء کرام والی صفات پیدا کرے اور پھر لوگوں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہی انبیاء کرام والی صفات کے ساتھ چلے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا پروانہ ملا۔ کامیابی اور قبولیت کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر انبیاء کرام اور صحابہ کرام والی صفات اور اعمال پیدا کریں۔

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ میں تبلیغ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کیا تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں توقع تو ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ قرآن کی تین آیتیں رسوا کر دیں گی تو ضرور تبلیغ دین کا کام کرو، اس نے کہا وہ کونسی تین آیتیں ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا پہلی آیت یہ ہے: "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ) کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو"۔
ابن عباسؓ نے کہا کیا اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور دوسری آیت: "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس کو کرتے نہیں"۔ ہے تو نے اس پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں ــــ اور تیسری آیت وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (سورۃ ہود) ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، "جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں ان کو بڑھ کر خود کرنے لگوں، میری نیت یہ نہیں (بلکہ میں تو ان سے بہت دور رہوں گا تم میرے قول اور عمل میں تضاد نہ دیکھو گے)"۔ ابن عباسؓ نے پوچھا کہ اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا جاؤ پہلے اپنے کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، یہ مبلغ کی پہلی منزل ہے۔ (الدعوۃ از راہ عمل)

بے عمل واعظ کی مذمت

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ، اس آیت میں خطاب اگرچہ علماء یہود سے ہے، ان کو ملامت کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے رہو اور دین اسلام پر قائم رہو (جو علامت ہے اس بات کی کہ علماء یہود دین اسلام کو یقینی طور پر حق سمجھتے تھے) مگر خود نفسانی خواہشات سے اتنے مغلوب تھے کہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص کی مذمت ہے جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے، دوسروں کو خدا سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے، ایسے شخص کے بارے میں احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میرا گذر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے،

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے دنیا دار واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے تھے مگر اپنی خبر نہ لیتے تھے۔ (ابن کثیر)

ابن عساکرؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیونکر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے، اہل دوزخ کہیں گے "ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے (ابن کثیر ___ معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۱۸)

ف: معلوم ہوا کہ دعوت اور عمل میں زبردست جوڑ ہے، دونوں لازم اور ملزوم کی طرح ہیں۔ دعوت عمل کے ساتھ مقناطیسی (MAGNETIC) پاور رکھتا ہے، جس طرح چراغ پر پروانے مر مٹتے ہیں اسی طرح باعمل تبلیغ کرنے والے پر انسان مر مٹتے ہیں اور اُن سے فیض حاصل کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ ہر انسان میں اپنی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں جنہیں دُور کرنے کا بہترین نسخہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے بتایا ہے کہ:۔

"جب مجھے اپنی کسی بُری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے" (معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۱۹)

معلوم اور ثابت ہوا کہ مبلغ بننے سے پہلے اپنی حالت کو بدلنا ضروری ہے تاکہ اس کا اچھا اور گہرا اثر مخاطبین اور سامعین پر پڑے۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیت شریفہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا ذکر ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف ۲، ۳)	اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو مُنہ سے (وہ بات) جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۱۹)

ف: تفسیر میں ہے کہ چند صحابۂ کرامؓ نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مذاکرہ کا علم وحی کے ذریعہ ہوا تو آپ نے نام بنام صحابہ کو بُلایا اور پوری سورۃ الصف پڑھ کر سُنائی جو اس وقت نازل ہوئی۔ آیت شریفہ میں مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا کیوں کہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ نہ ہو اور دعویٰ کریں۔ اس لیے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ

کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شانِ عبدیت کے خلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو، یہ تو گناہِ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق یہی ہے..... رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اُس کی نصیحت دوسروں کو کرے اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے، وہ اس آیت کے مفہوم میں شامل تو نہیں، اس کے احکام دوسری آیت (سورۃ البقرہ ۲: ۴۴) میں مذکور ہیں، یعنی:۔

"تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت (اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ) نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو، مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اُس سے مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو۔"

(معارف القرآن ج ۷ ص ۴۲۴)

حدیث:۔ حضرت حرملہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے کن باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تو نیکی پر عمل کر اور برائی سے بچ اور دیکھ اگر تو یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ مجلس سے تیرے اُٹھ کر چلے جانے کے بعد اچھے اوصاف سے یاد کریں تو تو اپنے اندر اچھے اوصاف پیدا کر، اور جن باتوں کو تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری عدم موجودگی میں لوگ تیرے بارے میں کہیں تو تو اس سے پرہیز کر۔

ف:۔ مطلب یہ کہ آدمی چاہتا ہے کہ لوگ اچھے الفاظ سے اُسے یاد کریں تو اُسے ویسے ہی کام کرنے چاہئیں اور آدمی ناپسند کرتا ہے کہ لوگ بُرے اوصاف سے اُسے یاد کریں، تو ایسے اوصاف سے بچنا چاہیئے۔ (راہِ عمل)

نوٹ:۔ تبلیغ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا محنت کا میدان یہ ہے کہ اپنی ذات کو بنائے جس سے خود اپنی ذات کو فائدہ ہوگا جو اوّل المقصد ہے، پھر جب وہ اپنی بنی ہوئی ذات سے چلے گا اور پھرے گا تو اس کا لامحالہ نفع اور اثر دوسروں کو بھی پہنچے گا۔ تاریکی میں کوئی شخص ٹارچ یا چراغ لیکر چلتا ہے تو اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے جو اس کے ساتھ چلنے والے ہوتے ہیں۔ یہی کام آفتاب کا ہے کہ پورے نور اور آب و تاب کے ساتھ جب نکلتا ہے تو پوری دُنیا کو منور کرتا جاتا ہے۔

ماتحت لوگوں پر محنت کرنا

اپنی ذات کو انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف کی طرح بنانے کی سعی کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں اور ماتحت افراد پر محنت کرے کہ یہ تبلیغ کی پہلی سیڑھی اور منزل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اور آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی طرف بلایا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے کنبہ والوں کو تو کچھ کہتے نہیں اور لوگوں کو تبلیغ فرما رہے ہیں تو آیت شریف وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کے ذریعہ ارشادِ ربانی ہوا کہ آپ اپنے کنبہ والوں کو ڈرائیں۔ ایک تو گھر والوں کا پہلا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بتایا اور سنایا جائے، دوسرا یہ کہ لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں ملے گا کہ فلاں صاحب اپنے گھر والوں کو تبلیغ نہ کر کے ہمیں تبلیغ کر رہے ہیں، تیسرا یہ کہ گھر والوں کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ جڑنے کی وجہ سے لوگوں پر اس کے کہنے کا اچھا اور گہرا اثر پڑتا ہے، چوتھا یہ کہ تبلیغی کام کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ لوگوں کی کس طرح تعلیم اور تربیت کی جاوے۔

اب اگر کوئی شخص گھر والوں کی اصلاح و تربیت نہ کر کے دوسروں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں لگتا ہے تو ایسے شخص کو لوگ بہروپیہ اور منافق کہتے ہیں اور ایسے مبلّغ کا لوگوں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا۔ اگر کوئی مبلّغ یوں کہے کہ میں تو گھر والوں کی اصلاح و تربیت کرنے کی سعی کرتا ہوں لیکن وہ مانتے نہیں، تو پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچے کہ آیا اُس نے شروع ہی سے قرآن و حدیث کے تقاضوں کے مطابق اہلیہ اور عیال کی تربیت کی سعی کی ہے یا پانی سر سے گذر جانے کے بعد یہ الفاظ کہہ رہا ہے۔ بندہ کا تجربہ یہ ہے کہ شروع میں شریعتِ مطہرہ کے تقاضوں کے مطابق تو کچھ کرتے نہیں اور جب نافرمانیوں اور من چاہی زندگی گذارنے میں پکّے ہو جاتے ہیں تو اپنے قصوروں اور غفلتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اہل و عیال پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب شریعت کے تقاضوں کے مطابق شروع ہی سے اپنے ماتحت لوگوں کی اصلاح و تربیت کرتا ہے اس کے باوجود اہل و عیال اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں جرأت کر رہے ہیں تو پھر اہلِ ایمان و غیرت والے اپنے اہل و عیال سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل تبلیغ (حدیث ۴ کے ذیل) میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ہر مبلّغ کو چاہیئے کہ اس کو بار بار پڑھے اور عمل کرے۔ حضرت والا علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں فضائل نماز کی حدیث ۳ کے ذیل میں اور فضائل قرآن مجید کی حدیث ۱۱ میں بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

میں تبلیغی کام میں لگنے والوں کو پُرزور کہوں گا کہ آج کے دور میں سب سے زیادہ غفلت جو مبلّغ حضرات سے ہو رہی ہے وہ یہی ہے کہ خود تو چلّہ، تین چلّہ، سال اور کم و بیش اوقات لگاتے پھرتے ہیں لیکن اپنی اولاد اور

ماتحت افراد کی فکر نہیں کرتے۔ یہ تو ایسا ہوا جیسا کہ اپنے گھروں میں جہنم کی آگ بھڑکا کر دوسروں کے گھروں کی چنگاری بجھانے چلے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:۔

"بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے (اور اپنے ماتحت افراد) کی اصلاح کرے۔ آجکل یہ مرض عام ہو گیا ہے، عوام میں بھی (اور) خواص میں بھی کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اور اپنی خبر نہیں، دوسروں کی جوتیوں کی خاطر اپنی گٹھری اٹھوا دینا کیسی حماقت ہے!!" (ماہنامہ الخیر ۹-۳-۸)

نجات کے لیے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ سورۃ والعصر (اس سورۃ) نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ ان کا صرف اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کرلینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عملِ صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لیے کافی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے اعمالِ سیئہ سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ وہ خود کیسے ہی اعمالِ صالح کا پابند ہو۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر بھی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔ (آمین ثم آمین)

بقیہ : جبین .....

اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ آپ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مترجم منجد کی اشاعت تجارتی بناء پر ہوئی ہے (الحق اگست ص۳۲) نہ کہ علمی بناء پر کبھی بڑے بڑے مفسرین کی طرف تسامح کی نسبت کرتے ہیں اس قسم کی تحریریں آپ جیسے صاحب علم کو زیب نہیں دیتیں۔

بے شک علمی تحقیق میں دن رات منہمک رہیں لیکن السابقون الاولون الفائقون فی العلوم والخیرات پر اعتماد ضروری ہے آپ اپنے موقف میں جن علماء کرام کے اقوال پیش کرتے ہیں ان پر آپ کو اعتماد بھی تو ہے۔ اس لیے تو بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں لیکن آپ کے موقف کے خلاف جب ان کی بات جاتی ہے تو پھر ان کی طرف تسامح کی نسبت بھی جائز ہوتی ہے اور بدظنی بھی۔

حضرت مولانا محمد ظہور الحق ظہور

اِنسانی حقوق کا تحفظ اور عظمت و اہمیّت
تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں

ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔ اِنّ اللہ یامرکم ان تودّوا الامانات الی اھلھا۔
"بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو۔" (القرآن۔ سورۃ النساء۔ ۵۸)
ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا وفی شھرکم ھذا (الحدیث) رسول اللہ نے فرمایا۔ "بیشک تمہارے خون، تمہاری جائدادیں اور تمہاری عزت و آبرو، مکہ شہر، ذوالحجہ کا مہینہ اور اس دن (عرفہ) کی طرح قابلِ احترام ہیں۔"

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو ایک خالق کی مخلوق اور ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناطے سے آپس میں سب کو باہمی محبت و پیار، اتفاق و اتحاد سے رہنے اور بلا امتیاز مذہب، رنگ و نسل و زبان قوم و ملک ایک دوسرے کی عزت و احترام کرنے کی تعلیم دیتا ہے جس طرح ایک دوسرے کے دکھ درد، اور خوشی و مسرت میں شریک ہونے اور ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت و نگہداشت کی ترغیب دیتا ہے۔

حقوقِ انسانی کی ابتداء حقوق انسانی کا سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا مخلوق کی پیدائش کا جو انسان پیدا ہوتا ہے حقوق ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے اس لیے ان کو پیدائشی اور "بنیادی انسانی حقوق" کہا جاتا ہے۔

حقوق کی تشریح حقوق حق کی جمع ہے اور لغت میں حق کے متعدد معنی آتے ہیں۔ (۱) حق کے اصل معنی موافقت اور مطابقت کے ہیں اور اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ کسی شے کو حکمت کے تقاضے کے مطابق کرنے والے کو حق کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کو حق کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی کام بھی حکمت کے تقاضے کے خلاف نہیں ہوتا۔ ۲۔ جو چیز تقاضائے حکمت کے مطابق پیدا کی جاتے اس چیز کو بھی حق کہتے ہیں۔
۳۔ کبھی یہ لفظ واجب اور لازم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وکان حقا علینا نصر المؤمنین (الروم۔ ۴۷) "ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے" حقوق العباد کے ضمن میں معروف معنی

نا ہیں کہ بحیثیت انسان ایک انسان پہ دوسرے انسان کے لیے کیا کیا واجبات ولوازم ہیں جو اس کے پاس بطور امانت ہیں اور جن کو بطریق امانت دوسروں کے لیے ادا کرنا ہے۔

تعلیمات نبوی تعلیمات نبوی سے مراد کتاب و حکمت (قرآن وحدیث) ہیں۔ نبی کریم کتاب اللہ ہی کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت ابراہیم کی دعا میں ہے۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایاتك ویعلمھم الکتاب والحکمة۔ (البقرہ - ۱۲۹

اے ہمارے پروردگار! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمائیو جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور کتاب اور حکمت یعنی قرآن اور دانائی کی باتیں (حدیث نبوی کی) تعلیم دے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں ارشاد باری تعالٰی ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة۔ "درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید جو اللہ کا کلام ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ارشادات طیبہ، سب تعلیمات نبوی ہیں۔

حقوق اور فرائض میں فرق حقوق کے ساتھ اکثر فرائض کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو میں نے کسی کے ادا کرنے ہوں وہ میرے فرائض ہوں گے اور جو میں نے کسی سے وصول کرنے ہوں وہ میرے حقوق ہیں۔

حقوق کی اقسام انسان جب کائنات میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی سینکڑوں اشیا۔ سے اس کے تعلقات وابستہ ہو جاتے ہیں اور جس قدر وہ ترقی کرتا جاتا ہے اتنے ہی اس کے تعلقات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا تعلق تو اس کے پیدا ہونے سے بھی پہلے اپنے خالق کے ساتھ ہوتا ہے جس نے اسے وجود بخشا، اس میں جان ڈالی اور دنیا میں بھیجا۔

۲۔ دوسرا تعلق اس کا اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے وجود میں آنے کے لیے واسطہ بن گئے اور اس کی پرورش کی۔

۳۔ تیسرا تعلق اس کا ماں باپ کے قریب سے قریب رشتہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کے رنج و راحت اور دکھ سکھ میں کام آتے ہیں اور شریک ہوتے ہیں پھر ان کے بعد دوسرے رشتہ داروں سے، پھر ہمسایوں سے،

پھر گاؤں والوں سے، پھر ملک والوں سے، اسی طرح غیر ملکیوں سے بھی اس کے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں انہی تعلقات کی بنیاد پر انسان پر ہر ایک کے حسب مراتب حقوق قائم ہو جاتے ہیں اس بنا پر اسلام نے حقوق کو دو شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱۔ ایک شعبہ خالق کے حقوق کا جو "حقوق اللہ کہلائیں گے۔

۲۔ دوسرا شعبہ بندوں کے حقوق اور دوسری مخلوق کے حقوق کا۔

حقوق اللہ خالق کائنات نے انسان کو زندگی عطا کی اور تمام مخلوق کو اس کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے اس کا مطیع و مسخر بنا دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (البقرہ ۲۹) اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے روئے زمین کی تمام اشیاء پیدا کیں۔

• اس کے ساتھ ہی اپنے اس احسان کے بیشکر گذاری کا طریقہ بھی بتایا۔ یہ طریقہ کیا ہے؟ چند فرائض کی بجا آوری ہے جن کا تعلق براہ راست خداوند کریم اور بندے سے ہے، سب سے پہلے اپنے خالق اور مالک اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کرنا اور شہادت دینا ہے پھر جسم اور اس کی توانائی کا شکر، نماز اور روزہ کی صورت میں ادا کرنا ہے۔ سیم و زر و دیگر اجناس کے عطیات کے اظہار تشکر کے لیے زکوۃ و صدقات وخیرات اور حج بیت اللہ کی ادائیگی لازمی قرار دی گئی۔

جانوروں پر تصرف اور گوشت پوست، دودھ، سواری اور باربرداری جیسی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے ساتھ قربانی کو رکھا گیا ہے تاکہ اظہار تشکر کے ساتھ یہ اعتراف و اقرار بھی ہو کہ ان اشیاء کا مالک میں نہیں بلکہ حقیقی مالک و مختار وہ ذات کبریا ہے جس نے ان اشیاء کو میرے لیے پیدا فرما کر میرے تابع بنا دیا۔ ان شکر گذاریوں اور عبادت گذاریوں کا نام حقوق اللہ رکھا گیا ہے جن کی ادائیگی بندہ پر فرض ہے یہ فرائض اللہ تعالی کے ساتھ بندے کا تعلق متعین کرتے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کا مقصد ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات ۵۶) "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا" اور بمطابق واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا اس ذات کی عبودیت کو ادا کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا حقوق اللہ کی بنیاد ہے۔

حقوق العباد معاشرے میں رہتے ہوئے ہر فرد کے ہر عمل کا اثر دوسرے افراد پر ہوتا ہے یہ اثر اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی، اس اثر کو اچھا بنانے کے لیے یا اس کے مضرت رساں اثرات کو کم کرنے کے لیے ہر معاشرہ کچھ اصول وضع کرتا ہے۔ اسلام نے بھی کچھ اصول وضع کئے ہیں ان اصولوں کا نام "حقوق العباد" ہے اور دین اسلام حقوق العباد کا اہم حصہ ہے۔ الغرض اسلامی معاشرہ کے دو اہم ستون ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد (انسانی حقوق)۔

حقوق اللہ کی درست اور صحیح ادائیگی کے بغیر انسان کبھی بھی ہدایت نہیں پا سکتا نہ ہی دنیا و آخرت کے خسارے سے کسی صورت میں بچ سکتا ہے لیکن خدا کے نزدیک تعلیمات نبوی کے ذریعے حقوق اللہ سے بڑھ کر حقوق انسانی کی ادائیگی پر بڑا زور دیا گیا ہے جس سے حقوق العباد کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ حقوق اللہ کا معاملہ اللہ تعالی اور

اس کے بندے کے مابین ہے اور اللہ تعالیٰ ستار و غفار ہے اپنے حقوق کے معاملہ میں اپنے کمزور بندوں کی غفلت سے اکثر چشم پوشی فرماتا ہے ساتھ ہی یہ کہ وہ غنی ہے اسے یہ پرواہ نہیں ہے کہ کوئی اس کا حق ادا کرے یا نہ کرے۔ اور حقوق اللہ میں کوتاہی کے گناہ تو شاید اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم ہیں از خود یا ہماری پرخلوص توبہ "توبۃ النصوح" پر معاف فرما دیں۔ مگر حقوق العباد کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ بندے کا گناہ تو بندہ ہی بخش سکتا ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی پر ہمارے سماجی ڈھانچے کا انحصار ہے۔ فرد کے معاملات دوسرے افراد سے اور افراد کے معاملات ریاست کے ساتھ حقوق العباد کے شعبے میں آتے ہیں ان کا مکمل ادراک اور دیانتداری کے ساتھ ادائیگی ہی اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے ان کا نظر انداز کیا جانا، یا ان کی ادائیگی میں خیانت برتنا معاشرے کی تباہی اور آخرت میں رسوائی و محرومی و ندامت کا باعث ہے۔

(مسلم) کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جس کے پاس درہم و دینار وغیرہ نہ ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حالت میں جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہے روزہ بھی ہے زکوٰۃ بھی ہے اور حج بھی، مگر ساتھ ہی اس نے دنیا میں کسی کو مارا بھی تھا کسی کو گالیاں دی تھیں کسی کی غیبت کی تھی (غرض دنیا میں بندوں کے حقوق کو نظر انداز کیا ہوگا) ان میں سے ایک آیا نماز لے گیا، دوسرا زکوٰۃ لے گیا، پھر بھی بعض حقدار بچ گئے تو اس پر ان کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔ اس طرح وہ شخص محروم ہو کر دوسروں کے گناہ لے کر جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

خوفِ خدا کے تقاضے پر حقوق العباد ادا کرنے کا ایک سچا واقعہ ضلع جہلم کے ریٹائرڈ ہیڈ کانسٹیبل چوہدری لعل دین کسی بزرگ عالم باعمل کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے، جہاں انہوں نے ان بزرگ کی زبانی سنا کہ "اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی تو اپنے بندے کو معاف کر دے گا مگر وہ بندوں کے حقوق معاف نہیں کرے گا۔ کوئی انسان اپنا حق خود ہی معاف کر سکتا ہے" یہ بات چوہدری لعل دین صاحب کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی انہوں نے اندر کے ضمیر اور محض خوفِ خدا کے تقاضا سے اپنی آبائی زمین میں سے ایک مرلہ زمین اکیس ہزار روپے میں فروخت کی اور ان لوگوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے جن سے انہوں نے اپنی ملازمت کے دوران کبھی رشوت لی تھی وہ رشوت کی رقم بھی لوٹاتے ہیں اور معافی بھی طلب کرتے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت ۲۰ راکتوبر ۱۹۸۲ء)

حقوق اللہ کی امانت ہیں چنانچہ قرآن مجید میں حقوق کی حفاظت کو ادائے امانت کے جامع اور اہم لفظ سے تعبیر کیا گیا اور فرمایا گیا انا عرضنا الامانة على السموٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا (احزاب ۷۲)

"ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوتے اور

اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اٹھا لیا بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے ۔ تفسیر خازن والے نے امانت سے مراد حقوق لی ہے اور تفسیر مدارک والے نے حمل الامانۃ کا معنی خیانت کرنا کیا ہے حملها الانسان ای خانها ۔ تفسیر احکام القرآن میں ابو بکر جصاص کی امانت پر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ امانت دو قسم کی ہے ایک اعتقادات میں یعنی انہیں درست رکھنا، اس امانت میں کوتاہی کرے گا تو جاہل ہوگا ۔ دوسری قسم امانت عمل میں ہے ۔ اس میں حقوق العباد بھی آجاتے ہیں ۔ ان میں کوتاہی اور خیانت برتے گا تو وہ ظالم ہوگا ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر آدمی کو امانت یا حقوق ابتدائے آفرینش سے ودیعت کئے گئے ہیں اور قیامت کے دن ہر شخص کا ان کے متعلق احتساب ہوگا ۔

حقوق کی امانت ادا کرنے کا حکم ان الله یامرکم ان تودوا الامانات الی اهلها (النساء ۔ ۵۸) "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو"

امانت سے مراد یہاں حق ہے یعنی حق والوں کو ان کے حقوق ادا کر دو ۔

حقوق کو یہاں ادائے امانت سے تعبیر کرنے میں کئی فوائد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ۔ فائدہ ۱ ۔ امانت کا لفظ امن سے مشتق ہے جس کے معنی سکون اور اطمینان کے ہیں ۔ حقوق انسانی کی ادائیگی سے معاشرہ کو امن و سکون حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں فساد، بگاڑ اور بے اطمینانی پھیلتی ہے ۔ فائدہ ۲ ۔ یہ کہ انسان اس بات کو سمجھے کہ انسانی حقوق دراصل امانت ہیں ۔ جن کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا خیانت ہے ۔ فائدہ ۳ ۔ یہ کہ امانت سے نیابت کا تصور پیدا ہوتا ہے جس سے انسان کو اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ انسان اپنے مالک حقیقی کا امین اور خلیفہ ہے ۔ انسانی حقوق کی ادائیگی اس کے حکم سے اور اس کے احکام کے مطابق ہونی چاہئے اور حقوق کی ادائیگی اپنا فرض اور ڈیوٹی سمجھنا چاہیئے تاکہ معاشرہ میں امن و سکون قائم رہے اور فساد و انتشار پیدا نہ ہو ۔

حقوق النفس انسان کو دنیا کی ہر چیز سے جس سے اس کو نفع کا تعلق ہے ایک گونہ لگاؤ ہے اس سے وہ نفع اٹھایا جاتے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا ہے اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جاتے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے اس ذمہ داری کا نام حق ہے از خود جس کو ادا کرنا ضروری ہے ۔ اسی طرح ہر انسان پہ دوسرے انسان کے کچھ حقوق ہیں بلکہ ہر انسان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے اس کے ایک ایک عضو کا اس کے اوپر حق ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ فان لنفسك عليك حقا ۔ فان لجسدك عليك حقا ۔ ولعينيك عليك حقا ۔

نفس کی تعریف نفس انسانی شخصیت کے ظاہری جسم اور اس کی باطنی کیفیتوں کے مجموعے کا نام ہے ۔ لہٰذا نفس کے حقوق وہی ہوں گے جو انسان کے ظاہری جسم اور اس کی باطنی روح کے حقوق ہیں ۔

س کے روحانی حقوق یہ ہیں

۱۔ نفس مطمئنہ کے تقاضے پورے کرکے اس کی بالادستی قائم کی جائے۔ انسان خیر کی استعداد کو عمل میں لائے تاکہ وہ خیر کا موجب بن جائے سفلی جذبہ شر کا مظہر بننے سے بچائے۔

۲۔ جذبہ عبودیت کی تسکین کا سامان پیدا کیا جائے یعنی اس کے لیے ایسے طریقہ عبادت کو پیش کیا جائے جو اس کے فرائض منصبی سے ہم آہنگ ہو اور جو جسم و روح کی تطہیر کر سکے۔ لہٰذا نفس کے جذبہ عبودیت کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جانی چاہیے۔

۳۔ نفس کی کثافت دور کی جائے اس کا ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے تحت انسان اس عالم کائنات میں اپنا مقام اور منصب سمجھے کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ لہٰذا اس کو منشائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ نفس کی کثافت دور کرنے کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ کسی اہل علم و عمل اور صاحب نظر و قلب کی صحبت سے مستفیض ہوا جائے بُری صحبت سے بچا جائے۔

نفس کا چوتھا روحانی حق، نفس کو ضبط و اعتدال کا پابند کیا جائے۔

نفس کے ظاہری یعنی جسم و جان کے حقوق یہ ہیں کہ اپنی جان و جسم کو اذیت نہ پہنچائے۔ قدیم مذاہب میں یہ غلط فہمی رواج پا گئی تھی کہ خدا کا قرب جان کو اذیت دینے سے ملتا ہے نفس کو جتنی تکلیف پہنچائی جائے گی اتنا ہی روحانی مقام اونچا ہوگا۔ اسلام اور تعلیمات نبوی بمطابق لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا (البقرہ۔ ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی پہ ناقابل برداشت بوجھ نہیں ڈالتا"۔ اور یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ۔ ۱۸۵) "اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے تنگی نہیں چاہتا"۔ نفس کی تعذیب کی اجازت نہیں دیتے، ارشاد نبوی لا رھبانیۃ فی الاسلام اور قرآن مجید کے ارشاد وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا خدا نے تمہیں جو دے رکھا ہے اس میں آخرت کی فکر بھی کرتے رہو اور دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے بھی فراموش نہ کرو" کی روشنی میں اسلام کے اندر ترک لذات، ترک دنیا اور رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

الغرض جسم و جاں پر تشدد کرنا یا نفس کو عذاب میں مبتلا کرنا اسلام اور تعلیمات نبویہ کے منافی ہے۔ تعلیمات نبوی میں تو انسان کو تمام ذہنی، فکری صلاحیتوں اور جسمانی طاقتوں کو مناسب انداز سے بروئے کار لانے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ جسم و جان کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ انہیں صحت مند رکھا جائے اور آرام پہنچایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی فان لنفسک علیک حقاً ان تمام حقوق پر حاوی ہے۔

والدین کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنے حقوق کو بیان فرمایا ہے وہاں والدین کے حقوق کا بھی ذکر فرمایا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے معرض وجود میں آنے کا انتظام فرمایا ہے۔ اسی طرح اولاد کے وجود میں لانے کے لیے والدین کو ذریعہ بنایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم حق انسان پر اس کے والدین کا ہے لہٰذا والدین بھی انسان کے تشکر کے مستحق ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ان اشکرلی ولوالدیك "یعنی میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وقضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا (بنی اسرائیل ۲۳) اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اسی طرح سورہ بقرہ آیت ۸۳ میں فرمایا گیا۔ لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروگے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ حسن سلوک میں ادب، تعظیم، اطاعت، رضا جوئی، خدمت سب داخل ہیں۔ والدین کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا قرآن مجید نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ ہی انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہو اور دعا کیا کرو کہ اے پروردگار! ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بوڑھے والدین کی شان میں معمولی گستاخی تو کجا ناگوار لفظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے والدین کے حق میں دعا کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

والدین کے حقوق اور احادیث نبوی

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ جل شانہ کو سب کاموں میں کون سا کام زیادہ پسند ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ بروقت نماز پڑھنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اس کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۸ بخاری ومسلم)

(۲) ایک شخص نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں۔ یعنی ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں

والدہ کا حق والد کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا رشتہ داروں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا تمہاری والدہ۔ سائل نے عرض کیا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا، تمہاری والدہ۔ سوال کرنے والے نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری والدہ۔ چوتھی مرتبہ سوال کے جواب میں فرمایا تمہارا باپ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حسن سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ۔

مولانا نسیم اللہ اعظمی

شرعی احکام کا مدار قمری تاریخوں پر کیوں؟

انسان قدرت کی دو عظیم نشانیوں سے تاریخ معلوم کرتا ہے، شمس و قمر قدرت کی دو بڑی نشانیاں ہیں جن کے طلوع و غروب کا نظام بغیر کسی ادنیٰ فرق کے اپنے قانونِ گردش کے مطابق چلتا ہے نظام گردش کی یہی یکسانیت اس کی باعث ہوئی کہ آفتاب و ماہتاب کو تاریخ معلوم کرنے کا آلہ بنا دیا جائے۔

جس تاریخ کا مدار چاند پر ہے اسے قمری سال یا قمری تاریخ اور جس کا مدار شمسی نظام پر ہے اسے شمسی سال یا شمسی تاریخ کہتے ہیں قمری سال عموماً ۳۵۴ دن اور شمسی سال ¼ ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے چونکہ تغیر موسم کا دارومدار سورج پر ہے اسی لیے شمسی سال موسم کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے، جو مہینہ جس موسم میں پڑتا ہے ہر سال اسی موسم میں پڑے گا[1]

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قمری سال شمسی سال سے گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے یہ نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ قمری سال، سال کے تمام موسم کا ایک چکر لگانے میں گیارہ دن کم ثابت ہوتا ہے، ورنہ بذاتِ خود قمری سال بھی اپنے حساب سے پورا سال ہے، بالفرض اگر موسم کا اتفاق نہ ہوتا تو قطعی طور پر یہ کہنا ممکن نہ ہوتا کہ قمری سال چھوٹا ہے یا شمسی سال بڑا ہے۔

شرعی احکام کی بنیاد قمری تاریخ پر ہے، قرآن مجید میں صراحۃً اس کا ذکر آیا ہے:

يسئلونك عن الاهلة قل هي — بعض آپ سے چاند کی حالت کی تحقیقات

---

[1] اسلام میں عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کیا گیا ہے اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا گیا ہے، اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا بشرطیکہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات، روزہ، حج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے جیسا کہ آج کل عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے۔ (از مرتب معارف القرآن)

مواقیت للناس والحج ۔ (بقرہ) — کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے اور حج کے لیے ۔

ایک دوسری آیت سے سورج کا "آلہ شناخت اوقات" ہونا بھی معلوم ہوتا ہے ۔

فمحونا آیۃ اللیل وجعلنا آیۃ النہار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب (بنی اسرائیل) — پھر مٹایا رات کا نمونہ اور بنایا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب ۔

اس وقت موضوع بحث یہ ہے کہ شرعی احکام کا مدار قمری تاریخ پر کیوں ہے؟ جبکہ بادی النظر میں شمسی تاریخ زیادہ تام اور کامل نظر آتی ہے ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام کے جن احکام میں اوقات کی رعایت رکھی گئی ہیں ان میں ایسی قدرتی چیز کو معیار بنایا گیا ہے جو بالکل عام وظاہر ہو اور مرور زمانہ سے ان میں تبدیلی نہ ہو شلانماز کے اوقات کو بجائے گھڑی گھنٹہ سے متعین کرنے کے سورج کے طلوع وغروب واستوا ۔ وغیرہ سے متعین کیا گیا، روزے کی حد طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک رکھی گئی ہے، یہی حکمت چاند کو تاریخ کی شناخت کا معیار بنانے میں بھی کارفرما ہے ۔ یقینی حد تک تو نہیں، تقریبی حد تک چاند کے گھٹنے بڑھنے سے پہلے تاریخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ پہلی تاریخ سے ساتویں تاریخ تک چاند کا نصف مغربی حصہ منور ہو چکا ہوتا ہے اور سات سے چودہ تاریخ تک نصف آخر بھی منور ہو جاتا ہے، اسی طرح چودھویں رات کو چاند پورا ہو جاتا ہے، پھر چودہ سے اکیس تک چاند کا نصف مغربی حصہ بے نور ہو جاتا ہے اور اٹھائیس تاریخ کو پورا چاند تاریک ہو جاتا ہے فرض کیجیے ایک شخص کو تاریخ نہیں معلوم ہے اس نے نظر اٹھا کر چاند کو دیکھا کہ اس کا مغربی حصہ آدھے سے کچھ کم روشن ہیں جس سے وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آج چھ تاریخ ہوگی کیونکہ سات تاریخ کو پورا نصف مغربی حصہ روشن ہو جاتا ہے یا اس نے دیکھا کہ اس کا مغربی حصہ آدھے سے کچھ کم تاریک ہے اور مشرقی حصہ آدھے سے زیادہ روشن ہے تو وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ چونکہ اکیس تاریخ کو مکمل نصف مغربی حصہ تاریک ہو جاتا ہے اور ابھی یہ حصہ تاریک نہیں ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ۲۱ تاریخ میں ایک دو روز باقی ہیں اور چونکہ سورج میں گھٹنا بڑھنا نہیں پایا جاتا ہے اس لیے سورج کی ٹکیہ دیکھ کر تاریخ کو قریبی حد تک بھی متعین نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ شمسی تاریخ میں جنتری وغیرہ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اگر کسی کو شمسی تاریخ معلوم نہیں تو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ جنتری سے یا کسی سے پوچھ کر معلوم کرے برخلاف اس کے اگر اسے قمری تاریخ دریافت کرنا ہے تو چاند کے روشن اور تاریک حصہ کو دیکھ کر ایک حد تک اندازہ قائم کر سکتا ہے، قرآن میں چاند کی مختلف منزلیں مقدر کرنے کی یہی حکمت بیان فرمائی گئی ہے ۔

وقدرناه منازل لتعلموا عدد السنین والحساب۔ (یونس)

ہم نے چاند کی منزلیں مقدر کیں تاکہ گنتی معلوم کرو برسوں کی اور حساب

یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عربوں نے قمری نظام تاریخ کو کیوں اپنایا، عرب میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا، سینکڑوں میں کوئی ایک دو ایسا ملتا ہے جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو اور شمسی تاریخ میں لکھنے پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے انھوں نے قمری تاریخ کو اپنایا، خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہم امی لوگ ہیں حساب وکتاب نہیں جانتے۔ بعثت بالدین الحنیفة السهلة کا تقاضا بھی یہی تھا کہ سہل ترین اصول اپنایا جائے کیونکہ اس میں ادنیٰ و اعلےٰ سب کی رعایت ہے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ چاند سے مہینہ کا ختم اور شروع ہونا معلوم ہوجاتا ہے، مہینے کے آخری دن نئے چاند کا نظر آجانا پچھلے مہینہ کی انتہار اور اگلے مہینہ کی ابتدا کی علامت ہوتا ہے، شمسی تاریخ اس وصف سے خالی ہے۔

اس کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ روزہ، حج، عیدین وغیرہ جو سال کے مخصوص مہینوں کی عبادات ہیں ۳۳ سال میں گھوم کر ہر موسم میں واقع ہوجاتی ہے، کبھی موسم سرما میں کبھی موسم گرما میں اور کبھی برسات کے موسم میں ان عبادات کے مہینے آتے رہتے ہیں بالفرض اگر شمسی سال کی طرح قمری سال کے مہینے بھی ہمیشہ ایک ہی موسم میں پڑتے یا شمسی سال کی مشروعیت ہوتی یا مثلاً روزہ ابتدا میں جس موسم میں پڑتا ہر سال اسی موسم میں واقع ہوتا اور حج کے ایام آغاز مشروعیت میں جس موسم میں آتے ہر سال اسی موسم میں واقع ہوتے، لہٰذا اگر موسم نامناسب ہوتا تو پریشانیاں دائمی ہوتیں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

لیکن قمری تاریخ چونکہ ہر موسم کا چکر لگاتی رہتی ہے، اس لیے ایسی کوئی پریشانی پیش نہیں آتی، یہاں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اوسطاً آدمی کی عمر میں ایک بار یہ عبادتیں ہر موسم میں واقع ہوجاتی ہیں، کیونکہ شرعاً عمر تکلیف پندرہ سال ہے، یعنی ایک انسان احکام خداوندی کا مکلف پندرہ سال کی عمر میں قرار پاتا ہے اور قمری تاریخ سالانہ موسم کا ایک دور ۳۳ سال میں پورا کرلیتی ہے گویا اڑتالیس سال کی عمر میں یہ عبادتیں ہر موسم میں واقع ہوجاتی ہیں اور آدمی کی زندگی ہر عبادت کو سال کے متفرق حصوں (موسموں) میں پالیتی ہے، یہ وہ اسباب و وجوہ ہیں جن کی بنا پر شریعت اسلام نے شمسی تاریخ کے بجائے قمری تاریخ کو اختیار کیا ہے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

مولانا مفتی غلام الرحمن

جماعت نہم دہم کے نصابِ اسلامیات کی کتاب میں چند قابل توجہ امور

پشاور یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۱۴ تا ۲۰ اگست پرائمری کی سطح سے لے کر یونیورسٹی تک اسلامیات کے نصاب پر سفارشات کی ترتیب پر سیمینار منعقد ہوئے جس میں پاکستان کے چاروں صوبوں کے نمائندوں نے شرکت کی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب دوسری نشست میں مہمان خصوصی تھے ان کا مقالہ "اسلامیات برائے جماعت نہم دہم" برائے سنی طلبہ کے جائزے پر مشتمل تھا افادۂ عام کے پیش نظر وہی نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ اور آداب کے بعد! اس علمی اور تحقیقی سیمینار میں آپ جیسے ممتاز فضلاء اور ماہرین تعلیم کے سامنے مجھ جیسے نااہل کو صرف معروضات پیش کرنے کا نہیں بلکہ پروگرام کی دوسری نشست میں مہمان خصوصی کے اعزاز بخشنے پر تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ میرا نہیں بلکہ میری روحانی تربیت گاہ اور مادر علمی "دارالعلوم حقانیہ" کا شرف ہے۔

معزز سامعین کرام!

سیمینار میں دعوت دیتے وقت ایجنڈا کی کوئی خاص نشاندہی نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ اپنے ناقص علم کی روشنی میں مروجہ اسلامیات اور عربی کے نصاب العلم کے بارے میں کچھ تفصیلی جائزہ پیش کرتا۔ آج صبح ورکنگ گروپ کی تشکیل کے بعد گروپ لیڈر کی صوابدید پر "اسلامیات برائے جماعت نہم و دہم (سنی طلبہ)" کا جائزہ مجھے سونپا گیا ہے اپنے جائزہ کے چند نکات پیش کرنے سے قبل میں آپ حضرات کی اس ذمہ داری کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلامیات کے نصاب کے تدوین یا اس پر نظر ثانی ایک دشوار ترین مرحلہ ہے۔ کیونکہ اس کا انداز دوسرے تمام نصاب ہائے مضامین سے مختلف ہے۔ کسی زبان یا عقلی علوم میں غلطی کا تدارک ممکن ہے۔ لیکن دینی معاملہ میں کسی معمولی غلطی سے بہت کچھ خرابیاں آسکتی ہیں۔ اس لئے آپ حضرات اپنے فریضہ منصبی سے بالاتر ہو کر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت

سے اپنا دینی اور مذہبی فریضہ سمجھ کر عبادت کی نیت سے ایک قابل لائحہ عمل اور ٹھوس تجاویز تیار کریں تاکہ مستقبل کے معماران اور نئی نسل کی صحیح تربیت ہو سکے۔ اس سلسلہ میں میری رائے ہے۔ کہ جدید نصاب تعلیم کے بارے میں سوچنے کے بجائے مروجہ نصاب تعلیم کی اصلاح پر محنت کی جائے۔ کیونکہ کسی جدید نصاب تعلیم کی منظوری متعدد دشوار گزار مراحل طے کرنے کے بعد آتی ہے۔ شاید اس کے لیے عمر نوحؑ اور صبر ایوبؑ کی ضرورت پڑے

اس مختصر وقت میں زیر نظر "اسلامیات برائے جماعت نہم و دہم"، کے مطالعہ سے چند خامیاں سامنے آئیں ہیں۔ آپ حضرات بھی اس کے بارے میں سوچیں۔ اگر کہیں مجھے غلط فہمی ہوئی ہو۔ تو درستگی اپنی ذمہ داری سمجھیں

(۱) مروجہ نصاب تعلیم کی منظور کردہ کتاب از ٹیکسٹ بورڈ پشاور کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نماز اور طہارت کی ترکیب حصۂ دوئم میں سکھائی جاتی ہے۔ گویا عملی طور پر ثبوت دیا جاتا ہے۔ کہ اس مرحلہ پر پہنچ کر بچے کو نماز کی عملی تعلیم کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ جب کہ اس سے قبل جماعت ہشتم میں صرف نماز کی اصطلاحات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

میرے خیال میں نصاب کا یہ انداز اسلامی شخص سے منافی اور متضاد ہے۔ کیونکہ بچہ میٹرک کے مرحلہ میں کم از کم پندرہ سال کا ہوتا ہے۔ عمر کے اس مرحلہ میں بچے کو نماز کی تعلیم کی ضرورت محسوس کرنا اس حدیث سے منافی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ بچہ جب سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا کہا کرو۔ اور جب دس سال کا ہو جائے۔ تو اس کو نماز کے معاملہ میں بطور ادب مار بھی سکتے ہو۔ بہتر یہ ہوگا کہ نماز کی ترکیب پرائمری کی سطح پر سکھائی جائے۔ عملی طور پر دس سال پہنچنے سے قبل اس کو نماز سے متعارف کرانا چاہیئے۔ البتہ نماز کے مسائل متعدد ہیں، تو مڈل اور ہائی کی سطح پر نماز کے مسائل بیان کیے جائیں۔ تاکہ بچہ صحیح نماز کی ادائیگی پر قادر ہو۔

(۲) دوسری تجویز یہ ہے۔ کہ ناظرہ قرآن مجید ساتویں تک رکھا گیا ہے۔ کلاس ہفتم میں از پارہ ۲۰ تا پارہ ۲۶ تو پارے رکھے گئے ہیں۔ شاید آخری سپارے پہلے درجہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ معکوس ترتیب قراء اور حفاظ کے ہاں اگرچہ حفظ کی سہولت اور آسانی کے لئے مروج ہے۔ لیکن ناظرہ میں ایسی ترتیب سے بچے پر غیر ضروری بوجھ پڑ سکتا ہے، کیونکہ آخری سپارے تلفظ کے اعتبار سے پہلے سپاروں کی نسبت سے مشکل ہیں۔ نیز ناظرہ قرآن اگر پرائمری کی سطح تک محدود رکھا جائے۔ تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اور مڈل میں تجوید کا مستقل نصاب مقرر کر کے پڑھایا جائے۔ تاکہ مڈل پاس کرتے وقت بچہ تجوید و قرأت کے قواعد سے کچھ مناسبت بھی رکھ سکے۔

ممکن ہے۔ کہ پرائمری سطح پر سکولوں کی کثرت کی وجہ سے قراء کے بوجھ برداشت کرنے کے لئے حکومت

تیار نہ ہو سکے۔ لیکن اس کا ایک آسان علاج یہ بھی ہے۔ کہ پرائمری سطح کے اساتذہ کے لئے صحیح ناظرہ قرآن پر قدرت رکھنا لازمی قرار دیا جائے، تاکہ کسی دوسرے قاری کی ضرورت کے احساس کے بغیر خود بہ استاد بحیثیت مسلمان قرآن پڑھا سکے۔ اور یہ تصور ختم ہو کہ قرآن پڑھانا صرف مولوی یا قاری کا فریضہ نہیں۔ بلکہ بحیثیت مسلمان ہر ایک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پرائمری سطح تک ناظرہ قرآن محدود رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ اس درجہ میں طلباء زیادہ ہوتے ہیں۔ آگے جا کر تدریجاً طلباء کی تعداد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اس لئے نچلی سطح پر ناظرہ کے اہتمام سے زیادہ استفادہ کی توقع ہے۔ یا ایہا الذین

(۳) صفحہ ۱۲ پر "قرآنی آیات" کا عنوان دے کر چار صفحات میں ۱۵ عدد شمار کر کے قرآنی آیات لائی گئی ہیں۔ لیکن ان میں ۱، ۴، ۶ اور چودہ کے علاوہ بقیہ تمام آیات ناقص ہیں۔ بلکہ (۸) اور (۹) میں تو ایک آیت کے کچھ حصہ میں تقسیم کر کے دو دفعہ ذکر کی گئی ہے۔ تقطیع آیات کا فقہی نقطۂ نظر سے کسی جائزہ لیے بغیر یہ انداز مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے بچے کو نصف آیت پر پوری آیت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ بلکہ یا ایها الذین لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ (الآیۃ) میں تقطیع آیت سے فساد معنی کا اندازہ کرتے ہوئے میری یہ تجویز ہے۔ کہ ناقص آیت کی جگہ پوری آیت لکھی جائے۔ اگرچہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) احادیث کے حصہ میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے۔ کہ اس میں کسی حدیث کے حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ حالانکہ حدیث کے ساتھ حوالہ ضروری ہے۔ تاکہ کسی موضوعی روایت کے شکار نہ ہوں۔ اور حوالہ بھی کسی غیر معیاری کتاب کا نہ ہو۔ بلکہ بنیادی وسائل کا سہارا لینا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ حدیث کے راوی صحابی کا نام بھی ذکر کرنا چاہیئے۔ تاکہ طلباء کے ذہن میں یہ بات ابھی سے بیٹھ جائے کہ حدیث کا تذکرہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ناقص اور نامکمل ہے۔

(۵) حصہ دوم میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اس میں بعض اصطلاحات بچے کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اس لئے "اصطلاحات فقہیہ" کے نام سے ایک باب کا اضافہ ہونا چاہیئے جس میں ارکان اسلام کے بارے میں فقہی اصطلاحات بیان ہوں۔ تاکہ بعد میں طلباء پر بوجھ نہ رہے۔

(۶) مسائل کے ضمن میں بعض جگہ غلط فہمی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اس کا ازالہ ضروری ہے۔ مثلاً صفحہ ۵۰ پر زکوٰۃ اور مسائل زکوٰۃ پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں سونا، چاندی دوسرے اموال تجارت اور زمین کی آمدنی کے احکام بیان کرنے کے بعد جب حیوانات کی زکوٰۃ کا بیان کیا جاتا ہے، تو یہاں پر اس بات کی تصریح نہیں پائی جاتی کہ گائے، بھینس، اونٹ اور بکری میں بطور زکوٰۃ کیا دینا چاہیئے۔ بلکہ ان الفاظ پر اکتفا کیا گیا ہے کہ مویشیوں اور جانوروں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ بھیڑ بکریوں کا نصاب کم از کم چالیس بھینسوں اور

گایوں کا کم از کم تیس اور اونٹوں کا کم از کم پانچ مقرر ہے ۔"

سابقہ بیان کی رو سے شاید بچے یہ سمجھیں ۔ کہ ان میں عشر، نصف عشر یا ۱/۴۰ واں حصہ ادا کرنا واجب ہے ۔ حالانکہ ان کا حکم ان سے کہیں مختلف ہے ۔ مسائل پر نظر ثانی نامور مفتیان کرام سے کرانا چاہیئے ۔ زیر نظر کتاب پر عین علماء سے نظر ثانی کرائی گئی ہے ۔ ان میں کوئی مفتی نہیں ۔

(۷) حصہ اول میں "اخلاقیات" کے باب میں جو امور بیان کیے گئے ہیں ۔ ان پر نظر ثانی کی جائے ۔ کیونکہ اس باب میں "شرم و حیا"، "عورتوں کا مقام"، "قانون کا احترام"، "نظم و ضبط اور حقوق العباد جیسے مباحث میں اخلاقی پہلو مخفی ہے ۔ بلکہ موخر الذکر میں "حق النفس" اور حقوق العباد میں خلط کیا گیا ہے ۔ حالانکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں ۔ ❀

بقیہ : آتشیں لحاف

ہو جاتے ہیں ' ہمارے سامنے دونوں قسم کی مثالیں ہیں ۔ الفاظ کے ایک بڑے دھنی شاعر' قافیے جن کے غلام اور تشبیہیں جن کے گھر کی باندیاں تھیں' بڑے گھن گرج کے ساتھ ' آگ' آندھی ' بجلی' جن کا نعرہ اور شاعر انقلاب جن کا لقب تھا' مگر وہ اپنی زندگی میں ہی اپنے آنجہانی ہونے کا منظر دیکھنے پر مجبور ہوئے' نہ ان کے شعلہ میں لپک رہی اور نہ شبنم میں تازگی' لوگ ان کے حرف و حکایات بھی بھول گئے اور پند و محاکات بھی ۔

درحقیقت اس میں زمانہ کا کوئی قصور نہیں ہے' زمانہ نے کبھی کسی کمال کے اعتراف میں کمی نہیں کی ہے ' گلاب کو گلاب ہی کہا ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ایسے مریض کو جس کے پورے جسم پر ورم ہو' اس کو تندرست نہیں کیا جاتا ۔ چند نگاہوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے وہ ورم کو موٹاپا سمجھ لیتے ہیں' مگر ورم جب ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہی عقل و دانش کی لاغری دکھائی دینے لگتی ہے جو جسم کا طبعی حصہ ہے ۔ یہی حال ہیجان خیز قسم کے افسانے اور نظمیں لکھنے والوں کا ہے ۔ ہیجانیت کی عمر ہی بہت کم ہوتی ہے ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ واقعہ ہے کہ "عریاں نویسی" کو پسند کرنے والے "کچھ مزید" کے طالب ہوتے ہیں کل تک جو بات شرم کی سمجھی جاتی تھی' وہ آج روز مرہ میں داخل ہے' اور اس کو ایک حد پر آکر ختم ہونا ہی ہے' اور ذوق دید میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔

کسی فارسی شاعر کا مشہور مصرعہ ہے "دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار" یعنی قوت نگاہ مختصر اور محدود ہے اور ممدوح کے جمال کا کوئی شمار نہیں مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے' عریاں نویس کی متاع ہنر بہت محدود ہے اور دیکھنے والوں کا ذوق تماشا لا محدود ۔ عریاں نویسی کا ایک فلسفہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ افسانہ نگار اپنی سوسائٹی کا ترجمان ہوتا ہے ' وہ معاشرہ کی خرابیوں کو افسانہ کی شکل میں مجسم (ILLUSTRATE) کرتا ہے ۔ وہ کوئی نیا زخم نہیں پیدا کرتا بلکہ معاشرہ کے جسم پر جو پھوڑے ہیں' ان پر اپنے موٹے قلم سے نشتر لگاتا اس کے زہریلے مواد کو دکھا دیتا ہے ۔ ❀

مولانا ذاکر حسن نعمانی

جناب مولانا سید تصدق بخاری نے چھ سات ماہ کی طویل خاموشی کے بعد انگڑائی لی اور بجائے اس کے کہ زیر بحث موضوع کو تکمیل تک پہنچائیں غلط مبحث کر کے نئے موضوعات کو اعتراضات کی شکل میں چھیڑ دیا صرف اس لیے کہ قارئین تشویش میں پڑ جائیں اور اصل موضوع ہاتھ سے نکل جائے کسی موضوع پر بحث کے دوران ایسی روش اختیار کرنا عاجزی تذلیل ہوتی ہے۔

بخاری صاحب کا موقف یہ ہے کہ جبین کا ترجمہ "کروٹ" ہی ہے جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ جبین کا ترجمہ کروٹ اور پیشانی دونوں صحیح ہیں کیونکہ عربی کی معتبر تفاسیر میں پیشانی، چہرہ کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر موجود ہے۔ ہم نے جن تفاسیر کے حوالے دیئے تھے وہ یہ ہیں۔ (١) جامع البیان فی تفسیر القرآن ابن جریر طبری۔ (٢) درمنثور (٣) روح المعانی (٤) تفسیر ابی السعود (٥) تفسیر ابن کثیر (٦) تفسیر قرطبی (٧) التفسیرات الاحمدیہ۔

موصوف نے ان حوالوں کی تردید نہیں کی اور کر بھی نہیں سکتے اگر ہمت ہو تو ان مستند تفاسیری حوالوں کا جواب دیں۔

بخاری صاحب مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا بیضاوی کو تفسیر نہیں مانتے (اگست الحق ١٩٩٢ء صفحہ ٤٢) ہم بے شک بیضاوی کو تفسیر مانتے ہیں لیکن آپ سے یہ پوچھنے کا ہمیں حق حاصل ہونا چاہیے کہ جناب! آپ بیضاوی کے دوسرے قول کو کیوں نہیں مانتے۔ فرماتے ہیں کبہ علی وجہہ باشارتہ کیلا یریٰ۔ یعنی اسماعیلؑ کے رے پر چہرے کے بل گرادیا۔ ذرا آگے جناب سید صاحب موصوف لکھتے ہیں کیا آپ کے نزدیک صرف سواطع الالہام ہی تفسیر ہے۔ (الحق اگست ١٩٩٢ء صفحہ ٤٢)

میری گذارش یہ ہے کیا میں نے صرف "سواطع الالہام" ہی کا حوالہ دیا ہے دیگر تفاسیر سے کیوں صرف نظر کیا جا رہا ہے ان کا ذکر بیچ میں سے کیوں حذف کر دیا۔ قارئین الحق کو بھی یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے اگر آپ زمخشری جیسے کٹر معتزلی کا حوالہ دے سکتے ہیں تو احقر نے اگر فیضی کا حوالہ دیا تو کیا حرج ہے۔

موصوف بار بار جبین کا معنی پوچھتے ہیں وہ تو بتادیا گیا کہ پیشانی کی کروٹ کو کہتے ہیں لیکن اس کا اطلاق ماتھے پر بھی ہوتا ہے جناب پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مقالہ میں یہ عبارت تاج العروس کی ملاحظہ فرمائیں ۔ وقد ورد الجبین بمعنی الجبھۃ لعلاقۃ المجاورۃ فی قول زھیر (الحق مئی ۱۹۹۲ء صـ۵۲)

میں نے بھی اپنے مقالہ میں قرآن کریم سے ایک مثال دی تھی لیکن آپ شاید معنیٰ موضوع لہٗ ، معنی مراد اور مجاز میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے ، جن مفسرین نے "کروٹ " ترجمہ کیا ہے وہ بھی تو مجاز ہے حقیقی معنی نہیں کیونکہ کروٹ کا ترجمہ کرنے والوں نے شق یا جنب کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ آپ کے حوالوں میں مذکور ہے جانب پیشانی جب زمین پر لگے گی تو لازماً اس جانب کی بدن کی کروٹ بھی زمین سے لگے گی ۔

جناب سید تصدق بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ آپ یہ سوچنا بھول گئے کہ یہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں جناب ! میں نہیں بھولا آپ میرا مقالہ بھول گئے ، میں نے الحق مارچ ۱۹۹۲ء صـ۲۱ پر لکھا ہے پیشانی کی دائیں یا بائیں جانب زمین سے لگ جائیں تو لازماً بدن کا اس طرف والا حصہ بھی زمین کے ساتھ لگے گا ۔

علاوہ ازیں آپ کی یہ بات بھی غلط ہے کہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں (الحق اگست صـ۳۹) لزوم صرف ایک طرف سے ہے یعنی جبین زمین سے لگے گی تو بدن کی کروٹ بھی لگے گی لیکن بدن کی کروٹ زمین سے لگ جائے تو لازم نہیں کہ جبین بھی زمین کے ساتھ لگ جائے ، ذرا تجربہ کر کے دیکھ لیں اس کے برعکس جبین زمین سے لگ جائے تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ بدن زمین سے نہ لگے ۔

الحاصل دونوں ترجموں کی بنا مجاز پر ہے جس مفسر نے جو ترجمہ کیا ٹھیک ہے ، نواب صدیق حسن خان نے بھی دونوں ترجمے کئے ہیں اپنی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن میں لکھتے ہیں قیل المعنیٰ کبہ علی وجھہ کیلا یری من مایؤثر الرقۃ لقلبہ الجزء الثامن صـ۸ یعنی چہرے کے بل گرایا ۔ بحر العلوم علامہ سید امیر علی المتوفیٰ ۱۳۳۰ھ اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن میں لکھتے ہیں " اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بل ۔

معالم التنزیل والے لکھتے ہیں ۔ یا ابت کبنی بوجھی علی جبینی فانک اذا نظرت فی وجھی رحمتنی وادرکتک رقتہ تحول بینک وبین اللہ ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے ابا ! مجھے چہرے کے بل لٹا ، کیونکہ مجھے دیکھنے سے رقت قلبی پیدا ہوگی جو اللہ کا حکم پورا کرنے میں آڑ بن جائے گی ۔

۔ اشیۃ العلامہ الصاوی علی تفسیر الجلالین میں رقمطراز ہیں ۔ قال الابن یا ابت کبنی لوجھی علی جبینی آگے لکھتے ہیں ففعل ذالک ابراھیم ثم وضع السکین علی قفاہ ۔ یعنی بیٹے نے باپ سے کہا کہ مجھے چہرے کے بل ڈال ، پس ابراہیم نے ایسا ہی کیا اور اس کی گدی پر ذبح کے لیے چھری رکھی ۔

ہمیں بخاری صاحب سے اس مقالے اور گزشتہ مقالے کے تفسیری حوالوں کا جواب مطلوب ہے ۔ جبین کی

لغوی بحث کو طول نہ دیں وہ سب کو معلوم ہے کہ جبین کا معنیٰ جانب الجبہہ ہے بات جبین کے ترجمہ میں ہے کروٹ اور پیشانی، مفسرین دو لول طرف گئے ہیں دونوں مبنی بر مجاز ہیں نہ کروٹ بدن معنی موضوع لہ ہے اور نہ ماتھا۔ مجاز کا ارتکاب اس لیے ہوا کہ جبین کا معنی موضوع لہٗ لینا متعذر ہے۔

جناب بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ مصباح اللغات منجد کا خلاصہ ہے (الحق اگست ص۳۱) لیکن علامہ بلیاوی خود لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں اور عزیز طلبہ نے اصرار کے ساتھ خواہش ظاہر کی کہ المنجد کے طرز پر ایک لغت کی کتاب ترتیب دی جائے طرز اور خلاصہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ چند سطور کے بعد مرتب مصباح اللغات فرماتے ہیں۔ کام کرتے ہوئے جمہرۃ اللغۃ، اقرب الموارد، قاموس، کتاب الافعال لابن قوطیہ، تاج اللغات، مفردات امام راغب، مجمع البحار نہایہ ابن اثیر، منتہی الارب، المنجد، صراح یہ سب کتابیں پیش نظر رہیں۔ ہر لفظ کے معنی و مراد کی نہایت تحقیق کے ساتھ تعین کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مصباح اللغات کا اول صفحہ۔ اب قارئین الحق ہی فیصلہ کریں کہ مصباح اللغات منجد کا خلاصہ ہے یا مذکورہ کتابوں کا۔

عمدۃ القاری ج ا ص۱۱ میں علامہ بدر الدین عینیؒ نے جبین کی لغوی تشریح کی ہے اور عنوان بھی باندھا ہے بیان اللغات، لیکن سید تصدق بخاری صاحب فرماتے ہیں، حدیث مذکور میں جبینان کے تثنیہ کو ہی جبین فرمایا ہے (الحق اگست ص۳۷)

بخاری صاحب جبین کی لغوی تشریح جو عمدۃ القاری میں ہے اس کو جبین کا معنیٰ مراد سمجھ بیٹھے۔ علامہ بدر الدین عینی نے صما لکھا ہے اور موصوف ہی لکھتے ہیں (الحق اگست ص۳۷) ھی ضمیر اس کی عبارت میں کہاں ہے۔ اور کس طرف لوٹتی ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں۔ یقال الجبین غیر الجبھۃ بخاری صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں (الحق اگست ص۳۶) اور کہا گیا ہے کہ جبین پیشانی کے سوا ہے (الحق دسمبر ص۴۳) بے چارے ماضی اور مضارع میں فرق نہیں کر سکے " کہا گیا ہے " قیل کا ترجمہ ہے یقال کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہا جاتا ہے۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جبین سے جبینین مراد ہیں لیکن اس کا معنی موضوع لہ نہیں۔ عون الباری لحل ادلۃ البخاری میں نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں۔ والمراد واللہ اعلم ان جبینیہ معًا یتفصدان ۔ والمراد سے صاف ظاہر ہے کہ جبینین معنی موضوع لہ نہیں بلکہ مراد ہے۔ (جلد ا ص۳۹)

ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للعلامہ قسطلانی ج ا ص۱۶۹ میں رقمطراز ہیں۔ والمراد واللہ اعلم ان جبینیہ معًا یتفصدان فان قلت لم افردہ اجیب بان الافراد یجوز ان یعاقب التثنیۃ فی کل اثنین یغنی احدھما عن الاخر کالجبینین والاذنین تقول عینہ حسنۃ وانت ترید ان عینیہ جمیعًا حسنتان ۔ والمراد سے پتہ چلتا ہے کہ جبینین جبین کا معنی نہیں۔ عینین اذنین کے

کے اندر جس طرح ایک عین (آنکھ) سے عینین ایک اُذن (کان) سے اُذنین تثنیہ مراد لے سکتے ہیں اس طرح جبین مفرد سے جبینین مراد لے سکتے ہیں، کیونکہ ایک آنکھ یا ایک کان کا دوسری آنکھ یا ایک کان کا دوسرے کان سے جو تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جبین سے جبہہ (ماتھا) مراد نہ لیں کیونکہ جب جبین سے جبین مراد لیا تو جبہہ تبعیۃً میں آہی گیا۔ اس لیے اہل حدیث و احناف کے تراجم حدیث میں جبین کا ترجمہ پیشانی لکھا ہے۔

(۱) شبیر احمد عثمانیؒ کی شرح فضل الباری ج ۱ صفحہ ۱۵۸ میں جبین کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے "آپ کی پیشانی مبارک سے" (۲) تجرید البخاری للعلامہ حسین بن مبارک زبیدی میں ہے "آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا" ج ۱ صفحہ ۵ (۳) انوار الباری اردو شرح بخاری افادات انور شاہ کشمیری میں ہے "پیشانی مبارک" (۴) علامہ وحید الزمان نے بھی پیشانی ترجمہ کیا ہے۔ (۵) ترجمہ صحیح بخاری (۱) مولانا امجد علی صاحب (۲) مولانا ابوالفتح صاحب —— (۳) مولانا سبحان محمود صاحب (۴) مولانا قاری احمد صاحب، انہوں نے بھی پیشانی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

تیسیر القاری شرح فارسی صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲ کا ترجمہ ملاحظہ فرماویں۔" وحالانکہ بتحقیق پیشانی او سیلان میکند"۔

منح الباری شرح بخاری ملا محمد احسن ملقب بہ حافظ دراز صفحہ ۱۸ پر موجود ہے۔ یعنی "جاری می شد عرق از پیشانی مبارک"۔

شرح غوثیہ فارسی سید شاہ محمد غوث المتوفی ۱۱۵۳ھ رقمطراز ہیں" وحالانکہ پیشانی وی میریخت عرق"۔

اب بخاری صاحب ہی قارئین کو بتائیں کہ جبین کا ترجمہ (پیشانی) کے ساتھ کرنے میں اتنے بڑے بڑے مفسرین اور شارحین حدیث کیسے غلطی کر سکتے ہیں۔

مولانا تصدق بخاری صاحب اپنے تردیدی مقالہ (الحق اگست صفحہ ۳۹) میں لکھتے ہیں کہ اگر وہ غور سے اسے پڑھتے تو اس حقیر کی بابت ہرگز نہ لکھتے کہ یہ بات بھی غلط ہے کہ اس غلطی کی ابتدا شاہ عبدالقادرؒ سے ہوئی ہے۔

بخاری صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا آپ نے دسمبر کے مقالہ (الحق دسمبر صفحہ ۴۲) میں یہ نہیں لکھا۔ اس تسامح کا ارتکاب اس لیے ہوا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر اولاً اپنے ترجمہ میں جبین کا ترجمہ ماتھا لکھ دیا اور بعد کے علماء کرام نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اصل حقیقت کی نہ مراجعت کی اور نہ التفات نہ تحقیق۔

اب ہم بخاری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ تسامح اور اولاً کا کیا مطلب ہے اس لیے ہم نے جواب میں لکھا کہ اس قسم کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ سے پہلے کئی مفسرین کر چکے ہیں اب اس کو تسامح اور اولاً کہنا بالکل غلط ہے۔

آخر میں آپ سے درخواست ہے کہ علماء کرام پر بدظن نہ ہوں اکابر علماء کی مجلس ادارت نے منجد کا جو

(بقیہ صفحہ ۱۳۲ پر)

جناب سراج الاسلام سراج
اکوڑہ خٹک

تاریخ کے بعض کردار، اہم شخصیات اور واقعات

علم الاعداد کی روشنی میں

تاریخ شاہد ہے کہ دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے ساتھ قرآن پاک کے طفیل عربی رسم خط بھی عام ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب ایران افغانستان اور برصغیر پاک و ہند نورِ اسلام سے منور ہوگئے تو یہاں بھی مروجہ رسمِ خط کی بجائے عربی رسمِ خط جو عربی الفبائی کہلاتا ہے راسخ ہوگیا۔ چنانچہ پشتو، فارسی، ہندی وغیرہ سب زبانیں عربی رسم خط میں لکھی جانے لگیں اور مذکورہ سب زبانوں کے مخصوص حروف کو عربی حروفِ تہجی میں شامل کرلیا گیا، یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں کے حروفِ تہجی کی تعداد مختلف نظر آتی ہے اسلام کے ابتدائی دور میں حروف کی اشکال اور ترتیب مختلف تھی۔ اس وقت کی عربی حروفِ تہجی کی ترتیب ابجد کے نام سے مشہور تھی کیونکہ شروع کے حروف ا ب ج د تھے۔

تیسری صدی ہجری میں بغداد کے ایک اہل علم ابوعلی محمد بن حسین ابن مقلہ نے جو اعلیٰ پایہ کے ادیب اور خطاط تھے اور مشہور اسلامی خطوط (محقق، ریحان، ثلث، نسخ، توقیع، رقاع) کے ماہر تھے اور خط نسخ کے موجد اور امام بھی تھے، حروفِ ابجد کی ترتیب کو بدل دیا اور ہم شکل حروف کو یکجا کرکے ایک نیا قاعدہ مرتب کیا جو ابھی تک بغدادی قاعدہ کے نام سے مشہور ہے۔ بغدادی قاعدہ کے حروف کو حروفِ اَبتَثَ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے شروع کے حروف ا ب ت ث ہیں۔

تیسری صدی ہجری سے قبل عربی قاعدہ کے حروف کی ترتیب یوں تھی جو حروف ابجد کہلاتے تھے۔

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰

ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

قاعدہ ابجد کے حروف کے لیے متعین قیمتوں کا استعمال بھی قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ علم جفر، علم رمل میں اب بھی انہیں بروئے کار لایا جاتا ہے ہر زمانے میں صوفیاء، شعراء اور ادباء میں سے اکثر نے ضرورت اور

موقع کے مطابق حروف ابجد اور اس کی قیمتوں سے استفادہ کیا ہے اب تک تعویذات اور عملیات میں ان کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔

تاریخی واقعات اور تاریخی نام ابجد کے حسابات کے ذریعے اعداد میں وضع کرنا اہل علم اور اہل ذوق کا ایک مفید دلچسپ مشغلہ رہا ہے جیسا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لیے ۷۸۶ کا عدد قبول عالم کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اسی طرح محمد کے لفظ کے لیے ۹۲ کا عدد تو گرونانک جی نے بھی متبرک گردان کر اشعار میں کلیہ کے طور پر استعمال کیا ہے لیکن بعض علوم و فنون کی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس علمی فن کے ذوق و شوق میں بھی آہستہ آہستہ کمی واقع ہوتی گئی۔ چونکہ ہمارے ایک بہت بڑے علمی طبقہ کی اس قسم کی کاوشیں تاریخ سے وابستہ ہیں اس لیے ان کو محفوظ کرنا بھی میرے ناقص خیال کے مطابق ایک علمی خدمت سے کم نہیں۔ اس نظریہ کے پیش نظر چند مشہور تاریخی نام اور واقعات جو مختلف کتب و رسائل میں جگہ جگہ مذکور تھے ان میں سے چند ایک کو یکجا کر کے قارئین کے استفادہ کے لیے پیش خدمت کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	"۷۸۶"	
سن شہادت حضرت امام حسینؓ	"کام"	۶۱ھ
سن ولادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ	"سید"	۷۴ھ
سن وفات حضرت امام ابو حنیفہؒ	"سیف"	۱۵۰ھ
سن پیدائش حضرت امام بخاریؒ	"صدق"	۱۹۴ھ
سن وفات " " "	"نور"	۲۵۶ھ
کل عمر سالوں میں " " "	"حمید"	۶۲ سال
سن وفات امام احمد بن حنبلؒ	"ارم"	۲۴۱ھ
سن وفات حضرت امام ترمذیؒ	"عطر"	۲۷۹ھ
سن پیدائش حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	"عاشق"	۴۷۱ھ
سن وفات " " "	"معشوق الٰہی"	۵۶۲ھ
وفات کے وقت کل عمر	"کامل"	۹۱ سال
سن وفات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	"خجل"	۶۳۳ھ
سن وفات حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ	"استر"	۶۶۱ھ
سن وفات حضرت بابا فرید شکر گنجؒ	"اتراب"	۶۶۴ھ

سن وفات شیخ علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش) لاہوری مد۔ "کاش علی ہجویری" ۶۶۵ھ
سن وفات شیخ سعدی شیرازیؒ ۔ "خاص" ۶۸۱ھ
سن وفات حضرت اخون پنجو صاحبؒ اکبرپورہ پشاور۔ "غم" ۱۰۴۰ھ
" " حضرت میاں میر قادریؒ ۔ "دماغ" ۱۰۴۵ھ
" " حضرت کاکا صاحبؒ (ضلع نوشہرہ)۔ "بافقر رفت" ۱۰۶۳ھ
سن پیدائش خوشحال خان خٹکؒ، اکوڑہ خٹک "خیر عالمیانی" ۱۰۲۲ھ
" " " " " "باغیرت" ۱۶۱۳ء
سن وفات " " " "مغنی" ۱۱۰۰ھ
"باغ زمن" ۱۱۰۰ھ
سن تصنیف کتاب مسلم الثبوت از محب اللہ۔ "مسلم الثبوت" ۱۱۰۹ھ
سن پیدائش عبدالقادر خان خٹک فرزند خوشحال خان خٹک "عبدالقادر خان" ۱۰۶۳ھ
سن وفات اورنگ زیب عالمگیرؒ ۔ "آفتاب عالمتاب بس" ۱۱۱۸ھ
سن وفات حضرت میاں عمر صاحبؒ چمکنی، پشاور۔ "عشق" ۱۱۶۰ھ
سن وفات کاظم خان شیدا خٹک ۔ "دل نظیر" ۱۱۹۴ھ
سال سیلاب دریائے سندھ و دریائے کابل۔ "دریاب غم" ۱۲۵۶ھ
سن آبادی قلعہ اٹک ۔ "تعالیٰ شانہ اللہ اکبر" ۱۱۵۸ھ
سن وفات حضرت جی صاحبؒ اٹک ۔ "سلطان المشائخ" ۱۱۳۲ھ
سال پیدائش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ۔ "ظفر احمد" ۱۲۳۳ھ
سال جنگ شید و سال وفات (سید احمد شہید بریلویؒ)۔ "کرب عظیم" ۱۲۴۶ھ
سال جنگ باشندگان سوات بخلاف انگریزی حکومت بمقام سرکاوی بنیر سوات "غزائے بنیر" ۱۲۸۰ھ
وفات شیخ محمد شعیب صاحبؒ تورڈھیر صوابی مرشد سوات باباجی مد "چراغ اجل چشمہ فیض" ۱۲۳۸ھ
سال وفات سوات باباجی صاحبؒ ۔ سید و شریف۔ "یغفرہ" ۱۲۹۵ھ
سال پیدائش مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ۔ "خورشید حسن" ۱۲۴۸ھ

سالِ تصنیف مرغوبِ دل از حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی - "مرغوبِ دل" ۱۲۸۲ھ

سنِ وفات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ - (۱) "رضی اللہ عنہما دائماً"

(۲) کیا چراغ گل ہوا (۳) مصیبت پہ مصیبت آئی } ۱۲۹۶ھ

سنِ وفات مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ (۱) انّہ فی الاٰخرۃ لمن الصّالحین (از شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) ۱۳۲۳ھ

(۲) مولانا عاش حمیداً مات شہیداً (از مولانا اشرف علی تھانویؒ) "

(۳) ابوخورشید (راقم سراج الاسلام سراج) "

سنِ وفات حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ - "شہادتِ مرشد ہادی" ۱۲۷۴ھ

سنِ پیدائش شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ "مبلغِ دینِ اسلام" ۱۲۶۸ھ (راقم سراج الاسلام سراج)

سنِ وفات " " " " " " شیخ الہند محمد محمود الحسن ۱۳۳۹ھ " " "

" " آخری مغل بادشاہ سراج الدین ظفر - بجھا ہے چراغِ دہلی ۱۲۷۹ھ

" " حکیم اجمل خان دہلوی - دلی کا چراغ گل ہوا ۱۳۴۶ھ

" " مولانا مفتی کفایت اللہؒ - ہو گیا گل آہ دہلی کا چراغ ۱۳۷۲ھ

سنِ پیدائش مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ - منظورِ منی ۱۲۹۶ھ

سنِ وفات مولانا " " " " " (۱) آہ شیخ فردوس مکان
(۲) زاہد ذی احترام
(۳) جنید وقت ہادیِ زمان رفت
(۴) خورشید انور (از راقم سراج)
} ۱۳۷۷ھ

سنِ پیدائش مولانا ابوالکلام آزادؒ "فیروز بخت" ۱۳۰۵ھ

سنِ وفات " " " "امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم ہند" ۱۳۷۷ھ

" " شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ "امام العلماء المتقین رحمۃ اللہ علیہ" ۱۳۶۹ھ

" " مولانا اشرف علی تھانویؒ - "ہادیِ شبِ غم" ۱۳۶۲ھ

" " سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ - "علامہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ" ۱۳۸۱ھ

" " سید سلیمان ندویؒ - "تختِ سلیمان بادرجِ فردوس" ۱۳۷۳ھ

" " مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ - "آہ گل ہو گیا ہے چراغِ وطن" ۱۳۸۲ھ

" " حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ - "رفت ولے محمد انور شاہ" ۱۳۵۲ھ

سن وفات حضرت اخوند شیخ حبیب اللہ پشاوری خلیفہ آدم بنوریؒ۔ "شیخ امام کمل بود" ۱۰۹۹ھ

" " حضرت بلھے شاہ قادریؒ قصور شہر۔ "ہادیٔ اکبر مست توحید" ۱۱۷۱ھ

سن پیدائش مرزا اسد اللہ خان غالب دہلویؒ۔ غریب ۱۲۱۲ھ۔ سن وفات آہ غالب بمرد ۱۲۸۵ھ

سن پیدائش مولانا ظفر علی خانؒ۔ "ظفر علی خان" ۱۲۹۰ھ

سن وفات حضرت خواجہ غلام فریدؒ۔ مٹھن کوٹ۔ "غریق جاہ" ۱۳۱۹ھ

" " مولانا مفتی صدر الدین صدر الصدور تخلص آزردہ "چراغ دوجہان بود" ۱۲۸۵ھ

" " مولانا شبلی نعمانیؒ "مولانا شبلی نعمانی خاص" ۱۳۳۲ھ / سن وفات اکبر حسین خان اکبر الہ آبادی "اکبر حسین خان اکبر ہادی" ۱۳۳۹ھ

سال قیام پاکستان "رعایت قیام پاکستان" ۱۳۶۶ھ

سن وفات بابائے اردو مولوی عبد الحقؒ۔ "مشاغل امجد" ۱۳۸۱ھ

" " مولانا ظفر علی خانؒ۔ "ظفر علی خان جمیل" ۱۳۷۳ھ

سن پیدائش حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ۔ "مغفور" ۱۳۲۶ھ

سن وفات " " " " " " "عاشق شیدائے ختم المرسلین" ۱۹۷۷ء

" " " " " " " " " "وہ عرفان نور کا وارث" ۱۳۹۷ھ

" " محمد علی جوہرؒ (۱) بے لغزش (۲) رقیب غزل ۱۳۴۹ھ

" " علامہ اقبالؒ نغزش ۱۳۵۷ھ

" " عمرو عم مولانا روح الامینؒ، اکوڑہ خٹک غریق رحمت ۱۹۵۸ء

سن پیدائش شادیہ بی بی (دخترم) "شادیہ بی بی۔ قربان" ۱۳۹۳ھ

" " فوزیہ بی بی (دخترم) "فوزیہ بی بی۔ زرغونہ" ۱۳۹۵ھ

سن وفات عبد الخالق خلیق بابائے پشتو۔ "غفران اللہ" ۱۳۹۸ھ

" " سید فرمان اللہ سایح برادر زادہ سید راحت زاخیلی۔ "نشیب غم" ۱۴۰۲ھ

" " مولانا عبد الحلیم صاحبؒ سکنہ زروبی۔ صدر مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ "اہ غم بے نشان" ۱۴۰۳ھ

" " والد بزرگوار مولانا امیر زادہ۔ اکوڑہ خٹک۔ "عبدًا مغفورًا" ۱۴۰۴ھ

" " حضرت مولانا عبد الحقؒ اکوڑہ خٹک۔ "در آہ فقیر مولانا عبد الحق رفت" ۱۴۰۹ھ

" " محمد ضیاء الحق (سابق صدر پاکستان) "ضیاء الحق عبد مومن بمرد" ۱۴۰۹ھ

سال سانحہ بہاولپور۔ "حضرات" ۱۴۰۹ھ

سال وفات سید عظیم شاہ خیال بخاری۔ سابق ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی پشاور۔ "ادیج سید عظیم شاہ" ۱۴۱۰ھ

روزانہ ایک سیب کھائیے
کبھی معالج کے پاس نہ جائیے!

داناؤں کا یہ مشورہ درست، بشرطیکہ آپ کا معدہ بھی درست ہو اور سیب کو جزوِ بدن بنا سکے

ہاضمہ خراب ہو تو اچھی سے اچھی غذا بھی نظامِ ہضم پر بار بن جاتی ہے اور آپ قدرت کی عطا کردہ بہت سی نعمتوں سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔

اپنی صحت اور تندرستی کی خاطر کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیجیے۔ سادہ اور زود ہضم غذا کھائیے۔

پُرخوری سے بچیے۔ مرچ مسالے دار پکوانوں سے پرہیز کیجیے کیونکہ یہ معدے اور آنتوں کے افعال پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔

اگر کسی وقت کھانے پینے میں بے احتیاطی ہو جائے تو نظامِ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، دردِ شکم اور کھانے سے بے رغبتی سے محفوظ رہنے کے لیے نئی کارمینا لیجیے۔ نئی کارمینا معدہ اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست رکھتی ہے۔

نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے پُرتاثیر ہاضم ٹکیاں

Adarts-CAR-1/92

حضرۃ مولانا میاں حکمت شاہ صاحب کاکاخیل رحمہ اللہ

۱۹۰۸ء ——— ۱۹۷۸ء

قارئین کرام کو یاد ہوگا۔ کہ احقر نے مشاہیر سرحد کے عنوان سے ایک سلسلہ "الحق" کے قارئین کی دلچسپی اور ایک تاریخ کی حفاظت کے لئے عرصہ سے شروع کیا ہے۔ اس سے غرض صوبہ سرحد کے ان گمنام "مشاہیر" کا تذکرہ مقصود ہے جنہوں نے گوشہ خمول میں وقت گزار کر علمی تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دینے کو ترجیح دی۔ لیکن ان کی وفات کے ساتھ ہی ان کا تذکرہ بھی پس منظر میں چلا گیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے بارے میں نہ خود لکھا اور نہ کسی کو کچھ بتایا۔ اور یوں بعد میں آنے والی نسلیں ان کے نام اور کارہائے نمایاں سے بے خبر رہیں۔ اسی جذبے کے تحت کہ صوبہ سرحد ایک مردم خیز اور انقلاب آفریں خطہ ہے اس کی گود اور آغوش شفقت میں کتنے اعاظم و رجال پھلے پھولے۔ لیکن ہمارے عمومی مزاج بے اعتنائی کے سبب ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اور یوں ایک جہاں "خاک گور تیرہ میں" فنا ہوا۔

زیر نظر مضمون بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے لیکن میں اُسے اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کرونگا۔ کہ موصوف نے اپنی خود نوشت سرگزشت انتہائی خوشخط انداز میں "احوال الفقیر و ذکر المشاہیر" کے عنوان سے خود مرتب کی ہے۔ اور اس میں ولادت سے لے کر ۱۹۴۵ء تک کے حالات درج ہیں۔ اپنی دلچسپی اور نصائح و عبر سے بھرپور یہ آپ بیتی اس قابل ہے کہ اُس کو باقاعدہ کتابی شکل دی جاتی۔ بندہ نے اس طویل آپ بیتی کی تلخیص کرکے اس کو مضمون کی شکل دی ہے۔ یہ آپ بیتی بالکل سیف الدین سیفؔ کے اس شعر کی عملی تصویر اور کامل مصداق ہے۔ کہ

؎ جو سنائی انجمن میں شب غم کی آپ بیتی
کوئی رو کے مسکرائے کوئی مسکرا کے روئے

بندہ کی ملاقات آن مرحوم کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی۔ جب آپ اپنی چند کتابوں کے سلسلہ میں دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ بیماری کی وجہ سے آپ کی صحت انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ اور بتایا کہ بندہ کو دمہ کی شکایت ہے اس کے دو اڑھائی سال بعد آپ انتقال کر گئے۔ چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں۔

تو لیجئے ۱۹۴۵ء تک کے حالات خود ان کی زبان سنیئے ۔

ولادت وسلسلہ نسب احقر ماہ رمضان المبارک یوم چہار شنبہ ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء میں قصبہ زیارت کاکا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) میں پیدا ہوا ۔

سلسلہ نسب محمد حکمت شاہ ولد زاہد گل ولد غیاث الدین ولد محمد شعیب معروف بعالیجاہ ولد محمد اولیاء ولد محمد انبیاء ولد عبدالشکور ولد محمد سید الدین ولد محمد قیاس الدین ولد حضرت شیخ ضیاء الدین ولد قطب الاقطاب حضرت شیخ قستیر گل المعروف بشیخ رحمکار و کاکا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

یہ سلسلہ نسب احقر نے اپنے جد امجد ادمیا گل صاحب مرحوم کی کتابوں سے معلوم کیا ہے ۔

سلسلہ تعلیم وتربیت پیدائش کے وقت سے پانچ سال کی عمر تک جب احقر کی جسمانی تربیت والدین نے فرمائی ۔ بعد میں نانا صاحب اربیا گل مرحوم نے احقر کو سبق شروع کرنے کا انتظام فرمایا ۔ نانی صاحبہ اور نانا صاحب دونوں کی شفقت اور محنت کی وجہ سے قلیل عرصہ کے اندر احقر نے قرآن شریف کا کافی حصہ پڑھ لیا ۔ اس کے بعد چونکہ ہمارے قصبہ میں یہ دستور تھا کہ ختم قرآن مجید مسجد کے پیش امام کے پاس کرنا ضروری اور لازمی ہوا کرتا تھا ۔ لڑکوں کا معلمات کے پاس قرآن ختم کرنا غیر معتبر سمجھا جاتا تھا ۔ البتہ لڑکیوں کا ختم قرآن اور چند کتب بزبان افغانی معلمات ہی کے پاس پڑھی جاتی تھیں ۔ اس دستور مذکورہ بالا کے مطابق والد صاحب احقر کو مسجد سریش کے امام محمد مؤحد صاحب مرحوم کے پاس لے آئے ان کے پاس احقر نے باقی حصہ قرآن مجید کا ختم کیا ۔

فارسی نظم کا شروع کرنا ختم قرآن مجید کے بعد استاد صاحب موصوف نے احقر کو فارسی نظم کی کتاب کریما شروع کرائی ۔ اس وقت فارسی نظم کی ابتدائی کتابوں کو دیگر اساتذہ نظم بلا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے ، لیکن احقر کو اپنے اس شفیق استاد مرحوم نے مع ترجمہ کے پڑھایئں ۔ جب فارسی نظم کی ایک دو چھوٹی کتابیں احقر نے پڑھیں تو اس کے بعد والد صاحب نے احقر کو مدرسہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام زیارت کاکا صاحبؒ میں داخل فرمایا ۔ مدرسہ ہذا کے مدرسین نے احقر کو ابتدائی جماعت کے فریق اعلیٰ میں شامل کیا ، بعد ازاں بعض وجوہات کی بناء پر میں نے یہ مدرسہ چھوڑ دیا ، لیکن کچھ عرصہ بعد والد صاحب نے احقر کو دوبارہ مدرسہ ہذا میں داخل فرمایا ۔

وہاں اس وقت جناب میاں زعفران گل صاحب صدر مدرس تھے ۔ انہوں نے میرا امتحان لے کر جماعت دوم میں داخل فرمایا ۔ اس وقت مدرسہ کا دور اول ہی تھا اور مدرسہ ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ چل رہا تھا ۔ اساتذہ سب بڑے لائق اور کامل تھے ، چنانچہ احقر نے داخل ہوتے ہی محنت شروع کر دی ۔

قلمی کتابیں لکھنا اس وقت شوق سبق کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ میں مدرسہ کا کام تندہی سے کرتا اور گھر پر آکر

گھر میں اپنا کاروبار رکھنے پڑھنے کا شروع کر دیتا۔ انہی دنوں میں ایک کتاب "ہمارے نبی" نام والی جو مدرسہ ہذا کی درسی کتاب تھی وہ بازاروں میں ختم ہوئی اور کسی کو میسر نہ ہوتی تھی۔ احقر نے اُس کو لکھنا شروع کیا اور ہم جماعت لڑکوں نے اُسے پسند کر کے شوق سے خریدنا شروع کیا۔ اس طرح چند نسخے لکھ کر بیچ دیئے جس کی وجہ سے خط پختہ ہو گیا۔ چند یوم بعد ہی سے، مدرسہ ہذا کے طلباء کے امتحان کے واسطے ممتحن بلائے گئے۔ جب ہماری جماعت سوم کے طلبہ کے امتحان کی باری آئی اور وہ حضرات ممتحنین ہماری تعلیمی کاروائی اور لیاقت پر لکھنے لگے تو ان کو میری اور میرے دوسرے ساتھی کی کتابت پسند آئی۔ اور ہم دونوں کی کاپیاں لے کر اپنے ساتھیوں کو بتانے لگے یہ سب اسی کتب نویسی کی برکت تھی۔ دیگر مضامین میں میرے متوسط الفہم ہونے کی وجہ سے میرا کوئی امتیاز نہ تھا ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ باوجود کسی قدر غباوۃ رکھنے کے کسی امتحان میں فیل ہو جانے سے بہت ہی خوف لگا رہتا تھا اور خوب محنت و مشقت کیا کرتا تھا۔

جب مدرسہ نصرۃ الاسلام میں احقر نے تین سال گذارے اور پانچویں جماعت میں داخل ہو کر پڑھنا شروع کیا اس وقت مدرسہ کے تنزل کا آغاز ہوا تو مجھے اس سے بے رغبتی پیدا ہو گئی۔ چند روز کے بعد میں نے مدرسہ آنا چھوڑ دیا اور بیکار پھرنے لگا، اس پر والد صاحب کے چچازاد بھائی میاں غنیب گل صاحب مرحوم نے بار بار فرمایا تم مدرسہ جایا کرو اور پڑھائی نہ چھوڑو۔ مگر میرا جی اکتا گیا تھا، اس لئے میں نے اُن کا کہنا نہ مانا۔

عربی علوم کی طرف توجہ

آخر کار خداوند رحیم وکریم کے فضل وکرم سے حضرت مولانا میاں قیاس گل صاحب نے مجھ کو علوم عربیہ حاصل کرنے کی ترغیب دی اور مدرسہ رفیع الاسلام واقع بھانہ ماڑی پشاور جانے کا مشورہ دیا۔

مدرسہ رفیع الاسلام پشاور میں داخل ہونا

ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کا سال تھا کہ احقر طلب علم کے ارادے سے اپنے قصبہ کو چھوڑ کر پشاور روانہ ہوا۔ ظہر کے وقت احقر پشاور کے مدرسہ رفیع الاسلام پہنچا اور حضرت مہتمم صاحب صاحبزادہ فضل صمدانی سے، ملاقات ہوئی اور وہ یہ فرمانے لگے کہ تمہارے چہرے ہی سے طلب علم کا جذبہ ٹپک رہا ہے، تیرے داخل ہونے میں مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے، چنانچہ انہوں نے خود مجھے اپنے صدر مدرس مولانا ایوب شاہ صاحب کیمبلپوری کے پاس لے جا کر اُن کو میرے داخلہ کے متعلق ہدایت فرمائی۔ اس وقت وہاں صرف ونحو وغیرہ عربی کی کتابیں شروع نہیں ہوتی تھیں اور چھ ماہ بعد یہ کتابیں وہ خود شروع کرنے والے تھے۔ اس لئے ان چھ مہینے کا عرصہ مجھے وہاں پر حساب۔ جغرافیہ۔ اردو۔ خوشخطی میں صرف کرنا پڑا۔ ماہ شوال یا رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ میں عربی صرف ونحو کی کتابوں کا درس شروع ہوا۔ ابتداءً ہم چھ طلبہ درس میں شریک تھے۔

رسالہ الربیع قلمی کا اجراء

مدرسہ رفیع الاسلام میں جب احقر کا دوسرا سال شروع ہونے لگا تو دارالعلوم دیوبند سے غازی حامد الانصاری پشاور آئے اور یہاں ایک روز قیام کرکے کابل میں اپنے والد کے پاس جا رہے تھے۔ مہتمم صاحب نے ان کے پاس طلبہ دارالعلوم دیوبند کے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی رسالہ "بہار باغ" دیکھا جس پر انہوں نے ہم سب شرکاء جماعت سے فرمایا کہ اگر تم بھی کوشش و محنت سے کر ایک قلمی رسالہ جاری کردو تو بہت اچھا ہوگا۔ اس پر ہم سب نے ان کی یہ ہدایت مان کر ان کے اس مقصد کو پورا کرنے کا تہہ دل سے اظہار کیا۔ انہوں نے رسالہ کی تحریر کا کام احقر پر اور نقشہ مدرسہ کھینچنے کا کام ثناء اللہ پر اور سرورق کا کام صدر مدرس صاحب پر ڈالا۔ انہوں نے کسی وقت مجھے دیکھا تھا کہ میں ایک اردو رسالہ مسمّٰی بہ رسالہ الدّرر لکھ رہا تھا۔ دراصل وہاں بھی جاکر فارغ اوقات میں احقر تحریر وغیرہ کا کام اپنے شوق سے کرنے لگا تھا وہاں میں نے رسالۃ الدّرر، ہدایۃ المومنین، فرہنگ اردو کی چوتھی کتاب، ضرورت المسلمین افغانی اور تحفۃ الاطفال وغیرہ کتابیں لکھی تھیں۔ تحفہ ثانیہ نام کی ایک کتاب مولانا قیاس گل صاحب کو زیارت کاکا صاحب بھیجی تھی۔ ان سب چیزوں کو دیکھ کر مہتمم صاحب نے یہ تحریر کا کام مجھے سپرد کیا۔ اس رسالہ کو ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک تیار کرکے مدرسہ رفیع الاسلام کے دارالاخبار میں پہنچا دیتا۔ ممبران یعنی معاونین مدرسہ ہذا آکر اس کو مطالعہ کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ اس رسالہ کے لئے میں نے مدرسہ کے اندر باقاعدہ ایک دفتر معین کیا تھا اور وہاں بیٹھ کر اس کے واسطے مضامین لکھتا اور اس میں درج کرتا تھا۔

مدرسہ تعلیم الحق دہ بہادر

انہی دنوں جب کہ میں، زیارت میں شرح جامی کے آخری اسباق پڑھ رہا تھا جناب مولانا مولوی محمد عبدالحق نافع صاحب نے مجھے دارالعلوم دیوبند جانے کا بہترین مشورہ دیا اور مولانا قیاس گل صاحب مدظلہ نے ان کے اس مشورے کی تائید فرمائی اور ساتھ ہی مولانا محمد عبدالحق نافع صاحب نے کسی ملاقات میں اپنے بڑے بھائی مولانا مولوی محمد عزیر گل صاحب کو میری سفارش فرمائی کہ ایک طالب علم مسمّٰی حکمت شاہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے آئے گا، اس کے داخلہ میں سہولت کی کوشش فرماویں چنانچہ احقر مورخہ ۸ شوال المکرم ۱۳۴۷ھ دیوبند روانہ ہوا اور مورخہ پانچ شوال المکرم کو وہاں پہنچ کر سہولت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ شرح جامی تمام کنز الاقائق، نفحۃ الیمن اور قطبی میں حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم کے پاس امتحان دیا، اور پاس ہوکر وظیفہ حاصل کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

احقر نے اس سال دارالعلوم میں اصول الشاشی۔ میر قطبی و مختصر المعانی، شرح وقایہ اور مقامات حریری پڑھیں۔ مقامات۔ شرح وقایہ اور میر قطبی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس پڑھیں۔ اصول شاشی مولانا سید احمد صاحب گنگوہی کے پاس اور مختصر المعانی مولانا عبدالسمیع صاحب کے ہاں۔

اس سال میں نے بہت جانفشانی اور محنت کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ مقامات حریری میں زیادہ دلچسپی
ی اس کی تقریر لکھتا اور یاد کرتا۔ یعنی اس کے متعلق جو فوائد بھی استاد موصوف سے سنتا، ان کو لکھ کر یاد کیا کرتا تھا۔
ں تک کہ افغانی ہم سبقوں میں مقامات کے معلومات میں احقر قابل مشہور ہوا۔

سال دوم از شوال ۱۳۴۸ھ تا شعبان ۱۳۴۹ھ

اس سال احقر نے دارالعلوم پہنچ کر ہدایہ اولین۔ دیوان متنبی۔ نورالانوار میبذی مولانا مفتی محمد شفیع
صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے پاس شروع کیں۔ بعد میں میبذی انا محمد ابراہیم صاحب کے پاس بھی پڑھی کیونکہ وہ
معقولی استادوں میں سے تھے۔ اس سال اسباق کے اختتام پر سب رفقاء اپنے اپنے وطن چلے گئے اور میں نے
بھول کر بھی وطن کا نام نہیں لیا۔ وقت میں جامع مسجد کے شرقی حجروں میں سے ایک حجرہ میں رہتا تھا۔ تنہائی
تھی۔ کسی تقریر کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔

تقریر مقامات حریری یا کتاب حکمۃ الادب

اس دوسرے سال میں حضرت شیخ الادب مولانا مولوی محمد اعزاز علی صاحب مقامات حریری پڑھا
چکے تھے اور طلبہ نے بہت پابندی اور ضبط کے ساتھ ان کی تقریر لکھی تھی، خصوصاً میرے دوست مولوی خلیل الرحمن
صاحب ہزاروی نے اس سلسلے میں بہت کوشش کی تھی۔ میں نے اُن سے مقامات کے متعلق سارے افادات
لے کر ان کو لکھنا شروع کیا۔ مزید احتیاط کے لئے ایک دو کاپیاں اور طلبہ سے لے کر ساتھ رکھ لیں۔ نصف شعبان
۱۳۴۹ھ سے ۲۳ شوال تک تقریباً دو ماہ کے عرصہ میں تقریر نہایت اچھی شکل میں جمع ہوگئی اور حکمۃ الادب کے
نام سے مسمّٰی کر دی گئی۔ اس کی اتنی شہرت ہوگئی کہ اکثر طالب علم اس کو مانگنے لگے اور میں نے اس کے دینے
کے بارے میں کوئی بخل نہیں کیا۔ مگر میرے وطنی ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اپنے پاس دبالی جس کی وجہ
سے مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور اس کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی۔ ایک روز اس سلسلے میں حضرت مولانا میاں
اصغر حسین صاحب مرحوم کے پاس گیا اور یہ ماجرا انہیں سنا کر اُن سے اس کی دستیابی کے لئے عمل دریافت کیا۔
انہوں نے فرمایا کہ چالیس روز تک روزانہ یا مُعِیْدُ دو سو دفعہ پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان دنوں تو یہ
تقریر نہیں ملی۔ لیکن چار سال بعد زیارت کاکا صاحب (احقر کا آبائی وطن) کے گھروں میں سے کسی گھر سے دستیاب
ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

جلسہ تقسیم انعام

اس سال (یعنی ۱۳۵۰ھ میں) ماہ جمادی الاخریٰ کی بیسویں تاریخ کو دارالعلوم کا جلسہ تقسیم انعام
منعقد ہوا۔ اور طلبہ دارالعلوم کو انعام میں مختلف قسم کی کتابیں ملیں۔ احقر کو بھی اپنی کامیابی
کے صلہ میں میر قطبی۔ تحفہ لحمیہ تین کتابیں ملیں۔ افسوس اس کے بعد میرے تمام سالوں میں پھر کبھی جلسہ تقسیم انعام

منعقد نہیں ہوا۔ ورنہ خدا جانے کتنی کتابیں ہاتھ آجاتیں۔ اب سنا ہے کہ چند سالوں سے باقاعدہ انعامی جلسے ہونے لگے ہیں اور طلبہ کو ہر سال انعام میں کتابیں ملتی ہیں۔

دارالعلوم میں سال سوم کا آغاز ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۱ء

جب تیسرا سال شروع ہوا تو احقر نے پڑھنے کے لئے دیوان حماسہ۔ ملا حسن اور تفسیر جلالین لکھوائیں۔ ملا حسن و جلالین حضرت مولانا نبیہ الحسن صاحب مرحوم کے پاس پڑھنے لگا اور دیوان حماسہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس کچھ مدت تک پڑھتا رہا۔ بعد میں یہ کتاب ان سے منتقل ہو کر شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب کے پاس آئی تو ان کے پاس اسے ختم کیا۔

مولانا نبیہ الحسن صاحب شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور مجذوب عالم تھے۔ نماز میں تلاوت قرآن کی وجہ سے کبھی کبھی ان پر جذبہ آیا کرتا تھا۔ رمضان ۱۳۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔ رحمہ اللہ۔

چوتھا سال ۱۳۵۰ھ - ۱۳۵۱ھ

چوتھے سال میں احقر نے پڑھنے کے لئے تلویح توضیح صدرا۔ حمد اللہ لکھوائیں اور یہ تین کتابیں شیخ المعقول مولانا محمد ابراہیم صاحب کے پاس شروع ہوئیں ان کے علاوہ میر زاہد امور عامہ مولانا مولوی رسول خان صاحب ہزاروی جامع المعقول والمنقول کے پاس پڑھی، یاد رہے کہ اس سے پہلے تیسرے سال میں میر زاہد مع غلام یحییٰ حاشیہ میر زاہد وغیرہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کے پاس پڑھ چکا تھا۔ مولانا گل محمد صاحب مرحوم سے میراث کی کتاب سراجی پڑھی۔

بیعت اولیٰ

اس چوتھے سال میں حضرت مولانا عبدالمالک صاحب مظفر گڑھی۔ بہاولپوری چند یوم کے لئے دارالعلوم تشریف لائے۔ اور طلبہ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرنا شروع کیا آپ کے ساتھ اپنے وطن کے مریدین بھی رہا کرتے تھے۔ ہر فرض نماز کے بعد آپ مع اپنے مریدین کے ایک جگہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ طریقہ نقشبندیہ کے مطابق اپنے مریدوں پر توجہ ڈالا کرتے تھے جس کا ظاہری اثر بہت جلد پڑتا۔ میں نے جو حالات دیکھے تو شوق ہوا کہ میں بھی ان سے بیعت کروں، چنانچہ انہی دنوں مولانا عبدالمالک صاحب سے بیعت ہوا، انہوں نے شروع میں مجھے لطیفہ قلب میں سبق دیا۔ اس کے بعد میں بھی ان کے حلقہ میں بیٹھ کر مراقبہ کیا کرتا۔

حاشیہ سلم العلوم ضیاء النجوم

اسی سال مولانا محمد ابراہیم صاحب نے سلم العلوم پر حاشیہ شروع کیا۔ اور مجھے بھی اس کام میں لگا لیا۔ آپ متفرق کتابوں کی عبارتوں پر نشان لگا کر میرے حوالے فرماتے۔ پھر میں ان نشان شدہ عبارات کو ایک کاپی میں جمع کرتا اور کاتب کے حوالے کر دیتا اس طرح چند دنوں میں یہ حاشیہ بحث تصورات تک پہنچ گیا۔ پھر کاتب کی کتابت کی تصحیح کرتا۔ اس کام سے

احقر کو کسی قدر تجربہ حاصل ہوا کہ تصنیف و تالیف کا کام کیسے کیا جاتا ہے۔

سال پنجم ۵۲-۱۳۵۱ھ

چوتھے سال کے اختتام پر جب تعطیلات شروع ہوئیں تو احقر دہلی چلا گیا اور وہاں نئی مسجد قراء الباغ میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب برادر زادہ مولانا سیف الرحمان صاحب مہاجر کابل کے پاس ٹھہرا۔ نصف شعبان اور کل رمضان انہی کے پاس گذارا۔ پھر شوال میں آکر دارالعلوم میں قدیم طلبہ کی طرح داخلہ لیا۔ میر زاہد۔ امور عامہ۔ قاضی مبارک اور تصریح یہ کتابیں پڑھنے کے لئے ہیں۔ میر زاہد امور عامہ مولانا محمد رسول خان صاحب کے پاس شروع ہوئیں۔ قاضی مبارک مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (بہاری) کے ہاں شروع ہوئی۔ اسی سال شرح عقائد نسفی بھی لکھوائی تھی، تکملہ اور تصریح ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ان کے واسطے مدرس زیر غور تھا۔ مولانا نبیہ حسن صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد کسی مدرس کا تقرر نہیں ہوا تھا

سال ششم ۵۳-۱۳۵۲ھ

اس سال احقر نے مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین اور شرح نخبۃ الفکر تین کتابیں پڑھنے کے لئے لکھوائیں۔ مشکوٰۃ اور شرح نخبۃ الفکر مولانا عبدالسمیع صاحب کے پاس اور ہدایہ اخیرین مولانا اعزاز علی صاحب کے پاس شروع کیں اور بیضاوی شریف خارج میں چند طلبہ کے ساتھ مولانا محمد رسول خان صاحب کے پاس مسجد قلعہ میں پڑھنا شروع کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کا عام دستور یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں پڑھتے وقت استادوں کی تقریریں قلم بند کرکے امتحانات میں اُن سے کام لیا کرتے ہیں اور بعض ایسا کرتے ہیں، کہ پہلے سال جنہوں نے تقریر لکھی ہو اُن میں کسی سے تقریر لے لیتے ہیں۔ میں نے بھی ایک پشاوری طالب علم سے لکھی ہوئی تقریر لے کر اس سال لکھنا شروع کیا اور اس سال کے اواخر میں ختم کرکے "فوائد الثقات فی مطالب المشکوٰۃ" نام رکھا۔

تھانہ بھون کا اوّل سفر

اس سال ششم میں چونکہ احقر نے علم حدیث شروع کیا تھا اور لازمی امر ہے کہ حدیث پڑھنے میں انسان کی کسی قدر اصلاح ضرور ہو جاتی ہے۔ میں نے کاکا خیل برادر مولوی سیاح الدین صاحب کے ساتھ مشورہ کرکے تھانہ بھون جانے کا ارادہ کیا، جہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تشریف رکھتے تھے۔ اُن کی خدمت میں حاضری کے لئے دل بے تاب ہونے لگا تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر یعنی ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر بمع مولوی سیاح الدین و مولوی حبیب اللہ (ساکن چار باغ لنڈی کوتل) صاحبان دیوبند سے تھانہ بھون روانہ ہوا۔ راستے میں نبیٹر نامی ایک گاؤں تھا جہاں زبردست ندی تھی۔ مجھے اپنی زندگی میں کبھی تیرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اس لئے بڑی گھبراہٹ ہوئی مگر اس کو عبور کرنا ہی تھا، اس لئے ڈرتے ڈرتے پانی میں داخل ہوا اور اللہ کے فضل سے خیریت و عافیت سے ندی کو عبور کیا۔ وہاں سے نکل کر ٹھیک عشاء کے وقت موضع تیام پور میں پہنچے اور رات کو وہیں قیام کیا۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے سادہ رنگ میں کافی

خاطر تواضع کی ۔ صبح وہاں سے روانہ ہوئے اور کوئی ۹ بجے کے قریب تھانہ بھون پہنچے وہاں پہنچتے ہی حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اپنے قاعدے اور دستور کے مطابق انہوں نے ہم تینوں سے فرمایا کہ کب تک قیام رہے گا؟ ہم نے عرض کیا کہ تین روز تک ۔ ان تین دنوں میں ہم آپ کی تمام مجالس میں شریک ہوتے رہے اور عجیب و غریب باتیں اور شیریں و بہترین کلام سے مستفید ہوتے رہے ۔ میں نے دعا کے لیے درخواست لکھ کر اُن کے ممبر پر رکھ دی تھی جس پر انہوں نے تحریر فرمایا کہ دل سے دعا کرتا ہوں ۔ وہاں پر ان دنوں خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت کے دیگر خلفاء بھی موجود تھے جو بہت خاموشی کے ساتھ حضرت کی باتیں سنا کرتے ۔ آپ ظہر کی نماز کے بعد اپنے جنوبی برآمدہ میں تشریف رکھ کر عوام و خواص سب کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیا کرتے تھے اور صبح کا خواص کی مجلس کے لئے مقرر تھا ۔

تھانہ بھون کا سفر دوم

سال ہفتم کے آغاز میں پھر برادرم مولوی سیاح الدین کو لے کر سہارنپور چلا گیا یہ عید الضحٰی کے دن تھے ایک دن سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں سرحدی طلبہ کے پاس گذارا ۔ رات کو گاڑی پر سوار ہو کر دس بجے تھانہ بھون پہنچا ۔ رات وہاں کی ایک مسجد میں گذار کر صبح حضرت مولانا تھانوی رح کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کیا ۔ اور حسب دستور سابق ہمارے قیام کے متعلق دریافت فرمایا ۔ ہم نے کہا کہ دو دن تک قیام رہے گا اس دفعہ ایک بڑی خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی کہ جمعہ کی نماز کے بعد آپ نے اعلان کرایا کہ آپ کے چھوٹے گھر میں آپ کی تقریر ہو گی (حضرت مولانا تھانوی رح کی) چنانچہ سب حاضرین خانقاہ اور دیگر مقامی لوگوں کے ساتھ ہم دونوں حضرت مولانا موصوف کے گھر چلے گئے ۔ وہاں پردہ کا انتظام ہوا تھا ۔ گھر کے لوگ پردے میں بیٹھے رہے اور تقریر سننے والے باہر گھر کے صحن شریف میں بیٹھ گئے ۔ اور حضرت مولانا نے کرسی پر تشریف رکھ کر تقریر شروع کی اور حدیث اذا کان نصف شعبان سے ولاللہ عتقاء من النار تک پڑھ کر حریت پر بسط و تفصیل کے ساتھ تقریر فرمائی ۔ ایک کتاب ساتھ لئے ہوئے تھے جس میں سے علامہ قشیری رح کے اقوال نقل فرماتے تھے ۔ تقریر کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک جاری رہی اختتام کے بعد سب مجمع کے ساتھ گھر سے نکل کر خانقاہ تشریف لے جانے لگے ۔

اختتام سال ہفتم

یہ سال بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت عجیب و غریب گذرا ۔ اور اس میں بہت سے واقعات و حوادث آتے رہے ۔ درد گردہ کی بیماری گذاری ۔ انقلاب دارالعلوم دیکھا انقلاب میں شہر دیوبند کے باشندوں کی طرف سے طلبہ پر قسما قسم حملے دیکھے ۔ خیر خواہان کی طرف سے مزاحمتیں برداشت کیں مطبخ ، بند ہوتے کا اعلان بھی دیکھا اس اعلان کا منسوخ ہونا بھی دیکھا ۔ سب کچھ دیکھا ۔ انہی واقعات کے اندر سالانہ امتحان آیا اس سے فراغت بھی حاصل کی اور ان تمام واقعات کے ساتھ یہ سال ختم ہوا ۔ اس کے بعد ایک اہم واقعہ جو اس سال واقع ہوا تھا ۔ اس کو ابھی ذکر نہیں کیا ۔ اسے بھی ذکر کرتا ہے ۔ اس کے بعد پچھلے سالوں کے متعلق کچھ باتیں رہ گئی ہیں ان کو بھی

ذکر کرکے دیوبند میں احقر کی زندگی کے حالات اور طالب علمی کے احوال ختم ہوکر باقی احوال شروع ہوجائیں گے۔

انجمن اصلاح الکلام

سال ۱۳۵۲ھ ۔ ۳۳ء کے دوران میں مجھے اور میرے رفقاء وطن کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم جتنے بھی لائق ہوجائیں جب تک ہم میں تقریر کرنے کا مادہ نہ ہو اس وقت تک ہم قوم کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اسلئے کام کو سیکھنے کیلئے کوئی تدبیر سوچنا چاہیئے اور وہ یہی ہوسکتی ہے کہ ہم ہفتے میں کسی وقت مل کر تقریر کیا کریں اس سے ہمارے اندر تقریر کرنے کا ملکہ اور استعداد پیدا ہوجائے گا، چنانچہ ہم سب نے مل کر ایک انجمن بنائی اس کا نام اصلاح الکلام رکھا ہر جمعہ کی رات کو کہیں جمع ہوکر مختلف موضوعات پر تقریریں کیا کرتے تھے اس انجمن میں ضلع پشاور کے کل طلبہ اور دیگر اضلاع کے بعض طلبہ بھی شامل تھے اور ہمارے ساتھ مل کر اس انجمن کی غرض وغایت کو سمجھ کر آخیر تک کام کرتے رہے۔

صدارۃ جمعیۃ افاغنہ

جب انجمن اصلاح الکلام میں ہم نے کچھ مدت تک کام کیا اور ملکہ تقریر کافی پیدا ہوگیا تو اسکے بعد اس کو توسیع دے کر کابل کے افغانی، سوات، دیر، باجوڑ، بنیر، ہزارہ کے طلبہ بھی اس میں شامل کرکے اس کا نام جمعیۃ افاغنہ رکھا۔ پہلے اس کے صدر حکیم مولانا سید الابرار صاحب ساکن موضع نظر تھے ان کے زیر صدارت اس جمعیۃ کے ارکان نے بڑے بڑے کام کیے۔ دہلی میں سواتی و پشاور طلبہ کی آپس میں خونریزی جاری ہوگئی تھی۔ اس جمعیۃ کے تین ارکان نے جاکر ان دونوں فریقین کو آپس میں ایک دوسرے سے راضی کیا اور وہ شیر وشکر بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔ دیگر بھی اچھے اچھے کام کیے۔ ان کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شیخ عبدالرزاق مرحوم صدر ہوگئے ان کے بعد مولوی عبدالحق اکوڑوی صاحب ہوگئے، ان کے بعد ۱۳۵۳ھ ۱۳۵۴ھ میں احقر کو صدارت پر مجبور کیا گیا۔

فراغت دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۴ھ ۳۵ء

جب امتحان سالانہ ہوچکا سب ساتھی وطن کو چلے گئے۔ میرے پاس ابھی وطن سے زادراہ نہیں آیا تھا، اس لئے میں ۷، رمضان المبارک تک دیوبند میں پڑا رہا۔ گھر جانے کا بہت شوق تھا۔ مگر جلدی نہ آسکا کچھ دنوں تک صبر کرتا رہا جب ۷، رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ بمطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۳۵ء کو زادراہ پہنچا تو معہ تمام اراکین جمعیۃ افغان وتمام باشندگان زیارت کاکا صاحب دیوبند کے سٹیشن پہنچا۔ اور ریل گاڑی میں بیٹھ کر وطن روانہ ہوا۔ دوسرے دن شام کے وقت صحیح سلامت گھر کو پہنچا اور میرے فارغ ہوکر آنے پر والد صاحب اور دیگر خویش واقارب سب خوش ہوگئے۔

دستار بندی

دوسرے جمعہ کو والد صاحب نے حضرت مولانا عبدالحق نافع صاحب اور قصبہ زیارت کے دیگر احباء واعزہ اور علمائے کرام کو دعوت دے کر محلے کی مسجد سرخ میں مجلس دستار بندی منعقد فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلے تو مولانا گلاب صاحب نے تقریر فرمائی پھر جناب قاضی عصمت اللہ صاحب نے کچھ تقریر بیان کی بعدازیں مولانا محمد موحد صاحب چونکہ عمر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے انہوں نے مجھے پگڑی باندھنا شروع کی۔ ان کے بعد قاضی صاحب آئے اور ان کے بعد مولانا محمد نافع صاحب اور دیگر معزز حضرات نے پگڑی باندھنے میں حصہ لیا۔ اسکے بعد دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔
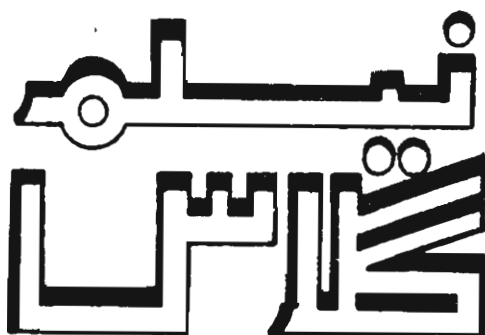
جناب حافظ محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر

گذشتہ ماہ آئرلینڈ میں ہونے والے ایک عجیب واقعے نے ساری دنیا کے مسیحی پادریوں، مفکروں اور مبلغوں کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیا۔ ٹی وی کی عالمی خبروں میں اس کا تذکرہ آیا اور دوسرے پروگراموں میں یہ موضوع بطور خاص زیر بحث رہا واقعہ کے مطابق نیویارک (امریکہ) میں مقیم ۱۷ سالہ پیٹر اپنی ماں سے روزانہ یہ سوال کرتا رہا کہ میرا باپ کون ہے؟ اور کیوں آج تک اس کے نام اور اس کے دیدار سے محروم ہوں۔ مسٹر پیٹر کی ماں ANNIE MURPHY (جو طلاق شدہ تھی) اپنے بیٹے کے سوالات کو حیلے بہانے کے ذریعہ ٹال دیا کرتی تھی اور بیٹا دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جاتا۔ ایک مرتبہ ایک اونچے درجے کے اسکول میں داخلہ کے وقت یہی سوال اٹھا کہ بیٹے کے باپ کا نام درج کیا جانا ضروری ہے اب ماں کے لیے کوئی چارہ نہ رہا کہ اس سوال کو کسی طرح ٹال دیا جاتے چنانچہ اس نے اپنے عاشق کو بذریعہ فون ان حالات سے مطلع کیا کہ اب حالات قابو سے باہر ہو رہے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ اس راز کو فاش ہی کر دیا جائے۔ آئرلینڈ میں مقیم عاشق نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح بھی یہ راز فاش نہ ہو سکے مگر دوسری طرف محبوبہ کے اصرار کے ساتھ ساتھ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر تم نے اس بات کا اقرار نہ کیا تو میں سارے ثبوت مہیا کر دوں گی جو آج تک میرے پاس بطور امانت محفوظ ہیں۔ چنانچہ چند لمحوں کے اندر اندر عاشق نے اپنے کام سے استعفیٰ پیش کر دیا اور ادھر معشوقہ نے سارا راز فاش کر ڈالا۔ اور بتلایا کہ میرے پیٹ سے جنم لینے والا وہ بچہ جسے آج سترہ سال سے باپ کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ آئرلینڈ کی سب سے بڑی عبادت گاہ سب سے بڑا پادری بشپ DR. EAMONN CASEY ہے۔ اور یہ ۱۷ سالہ پیٹر اس دور کی یادگار ہے جب پادری مسیحی عبادت گاہ میں بطور پیشوا کے مقرر تھا اور میں طلاق یافتہ تھی۔ ۱۹۷۰ء سے میرے اور اس پادری کے درمیان تعلقات نے نیا موڑ لیا عشق و محبت پروان چڑھا، ہم آپس میں شادی کرنا چاہتے تھے لیکن مذہب آڑے آ رہا تھا چنانچہ یونہی کام آگے بڑھتا رہا ادھر پادری نے بھی ان تمام جرموں کا کھلے عام اعتراف کیا اور بیٹا خوش ہو کر کہنے لگا کہ آج میں دنیا والوں کو کہہ سکتا ہوں کہ میں بغیر باپ کے نہیں۔ بلکہ میرا باپ فلاں ہے۔

روزنامہ ایوننگ نیوز مانچسٹر نے ۱۱ مئی اور اس کے بعد کی اشاعتوں میں تفصیلی خبریں فراہم کیں۔ جن میں ان کے تعلقات، پادری کا استعفیٰ دینا، ایک دوسرے کے ساتھ دھمکی آمیز لب ولہجہ میں گفتگو اور دیگر امور تحریر کئے ہیں اسی رپورٹ میں اس بات کا بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ اس پادری نے اپنے بیٹے کی کفالت اور پرورش کے لیے ۶۲ ہزار پونڈ چرچ کے اس فنڈ سے نکال دیئے جو صرف چرچ کی عمارت پر صرف کے لیے مخصوص تھے۔ اس خبر کے عام ہونے کے ایک گھنٹہ بعد پادری نیویارک کی جانب روانہ ہو گیا اور اس نے جلتے ہوئے کہا کہ میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے کیونکہ

I HAVE SINNED GRIEVOUSLY AGAINST HIM.

اس خبر نے پورے برطانیہ، آئرلینڈ اور روم کی مسیحی عمارتوں میں زلزلہ برپا کر دیا تھا ہر جانب یہی موضوع ابھر تا رہا۔ ٹیلی ویژن کے طے شدہ پروگراموں میں تبدیلیاں کرتے ہوئے اس موضوع کو زیر بحث لایا گیا۔ اکثر پروگراموں میں پادری اور مسیحی مبلغوں کو اس موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی جاتی رہی۔ ان میں سے بہت سے ایسے نوجوان بھی تھے جنہوں نے محض اس لیے چرچ کو خیرباد کہہ دیا تھا کہ دوران عبادت ان کی آنکھیں لڑ جایا کرتی تھیں اور چرچ اس شادی کی اجازت دینے سے معذور تھا۔ انہوں نے مسیحی مبلغ ہونے کے بجائے کسی عورت کا شوہر بننے کو ترجیح دی اور کھلے بندوں کہا کہ پادریوں کا کنوارا پن محض ایک ڈھونگ ہے۔ اندرونِ خانہ سب کچھ چلتا ہے۔ جب نوبت بایں جا رسید تو پھر مذہب کے اس قانون کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے جب پادری اور ننیں ایک ایسے کلچر اور ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ہر طرف آنکھیں لڑنے اور تقاضوں کے ابھرنے کا اندیشہ موجود ہے تو پھر کیوں شادی کو ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسے ادھیڑ عمر کے پادری بھی تھے جو ابھی تک اسی بات پر مصر رہے کہ پادری کو کنوارا رہنا چاہیئے۔ "پادری اور شادی" اس کی اجازت نہ دینی چاہیئے کیونکہ عیسیٰ ؑ بھی شادی شدہ نہ تھے۔

چرچ کے اس قانون کے حامیوں اور مخالفوں کی تیز و تند گفتگو اور دوسرے پروگراموں میں زیر بحث آنیوالے موضوعات پر برطانیہ کے سنڈے ایکسپریس نے آئرلینڈ کے شہر ڈبلن کے باشندوں کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ ۱۲ مئی کو ٹی وی میں اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ستر فیصدی رومن کیتھولک پادریوں کو شادی کی اجازت دینے کے خواہاں ہیں۔

ALMOST 70% OF ROMAN CATHOLICS BELIEVE

THEIR PRIESTS SHOULD BE ALLOWED TO MARRY.

معلوم نہیں اب مسیحی مفکرین کب اس نئے قانون کو عملی شکل دیں گے؟ اگر اب بھی یہ روش جاری رہی اور کنوارے پن کی آڑ میں عورتوں کی عصمت اور عزت لٹتی رہی۔ چرچوں کے فنڈ سے اپنی محبوبہ کی تمنائیں پوری کرتے رہے تو پھر یہ

مسیحی عبادت گاہ، عبادت گاہ کے بجائے کچھ اور کہلانے کی واقعی مستحق بن جائیں گی اور آجکل یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے پادری اور بشپ ان گھناؤنے کرتوت میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ کہیں عورتوں کی عصمت تار تار ہوتی ہے تو کہیں خیراتی رقوم ہضم ہو جاتی ہیں اور ان رقوم سے دوسرے شہروں میں دادِ عیش دیتے ہوئے گرفتار ہوتے ہیں چند خبریں ملاحظہ فرمائیں۔

ویسٹ سیکس (برطانیہ) کے ایک پادری (REV TOM TYLER) کو چرچ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فحش اور برے افعال کا ارتکاب کرتا تھا اور عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو چکا تھا اس نے اس مقدمہ کے خلاف چرچ ہاؤس لندن میں دو مرتبہ اپیل بھی کی جو مسترد کر دی گئی۔ (روزنامہ ایوننگ نیوز ۹ مئی ۹۲ء)

(۲) اس دن کے اخبار میں ایک دوسری خبر یہ بھی کہ امریکہ کے شہر (NEW BEDFORD FALL) میں ایک سابق رومن کیتھولک پادری نے عدالت کے روبرو اس امر کا کھلا اقرار کیا ہے کہ اس نے اپنی ملازمت کے دوران تقریباً ۱۰۰ بچوں کے ساتھ برا فعل کیا تھا۔ اخبار نے اس پر یہ سرخی جمائی ہے (PRIEST ADMITS RAPES)

(۳) روزنامہ ایوننگ نیوز مانچسٹر نے ۱۶ جون اور ATV کی منتخب خبروں نے ۱۷ جون کی اشاعت میں لکھا ہے کہ آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں ایک ۶۰ سالہ کیتھولک پادری (VISCOWNT KISS) کو ۱۶۵ الزام میں گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس پر عمل ہو گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے چرچ کے خیراتی فنڈ سے ۲۔۱ ملین پونڈ ہتھیا لیے ہیں اور ان رقوم سے بڑی شاہانہ زندگی گزار رہا تھا اس کے اعلیٰ ترین مکانات اور جہاز بھی ہیں اور اونچے درجے کے ہوٹلوں میں ان رقوم سے اپنے پیٹ کی آگ بجھایا کرتا تھا۔

(۴) برطانیہ کے ایک شہر CANBERRA میں ایک انیگلیکن بشپ (BISHOP OWEN DOWLING) عدالت کو ایک مقدمہ میں مطلوب ہے جس پر الزام ہے کہ وہ اپنی جنسی ہوس مٹانے کے لیے لڑکوں کی تلاش میں تھا اور ان مقامات پر موجود تھا جہاں اس قسم کی حرکتیں کرنے والے موجود ہوتے ہیں۔ تفصیلات کا انتظار ہے۔ اخبار نے اس پر (SEX CHARGES) کی سرخی لگائی ہے (ایوننگ نیوز مانچسٹر ۱۷ جون ۹۲ء)

مذکورہ بالا چند خبریں صرف چند ہی دنوں کی ہیں جو برطانیہ ہی کے اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی ہیں جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مسیحی عبادت گاہوں نے برائی اور فحش حرکات کے خلاف آواز اٹھانے سے اس لیے گریز اختیار کیا ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں RIV ہو یا BISHOP یا اور کوئی۔ سب ہی چپ ہیں اور یوروپی معاشرہ دن بدن برائی کی جانب ترقی کرتا جا رہا ہے اور جب برائی عام ہو جاتی ہے تو یہی پادری اسے قانونی تحفظ دینے کے لیے تحریکیں چلاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ خبروں میں لیورپول کے ایک پادری کا اعلان عام پڑھا ہوگا۔ یہ ہے برطانوی معاشرہ اور یہ ہیں مسیحی مفکرین، غور فرمایئے کیا یہ لوگ برائیوں کے خاتمہ میں دلچسپی لیں گے۔

Safety
instant milk

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

جبین کی دلچسپ بحث / جناب طالب ہاشمی
مکتوبِ لندن / جناب منظور احمد الحسینی
کتاب ادب القضاء / مولوی محمد ہاشم لاہور

"جبین" کی بحث نہایت دلچسپ ہے: "جبین کے بارے میں بحث نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی، مولانا سید تصدق بخاری صاحب کے دلائل بڑے وزنی ہیں لیکن حیرت ہے کہ متاخرین (مفسرین) میں سے بیشتر (۹۰٪) نے جبین کے معنی پیشانی یا ماتھا ہی بیان کئے ہیں۔ پہلے مضمون کے ساتھ مولانا عبدالقیوم حقانی نے جو تعارفی نوٹ دیا تھا اس کے مطابق "حسنِ تاویل" ہی سے اس مسئلہ کا حل نکالا جاسکتا ہے (یعنی پیشانی میں دونوں کروٹیں بھی شامل کر لی جائیں) اُردو زبان میں پیشانی اور ماتھا قریب قریب مترادف الفاظ ہیں، اُردو کی کتب لغت میں پیشانی کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں:۔ ماتھا، جبین، عنوان، اوپر کا حصّہ، تقدیر، قسمت، سرنامہ، القاب، سرخی، کاغذ کا وہ حصّہ جو عبارت سے اُوپر چھوڑ دیتے ہیں۔ جبہہ کے معنی بھی پیشانی اور ماتھا بیان کئے گئے ہیں۔ جبہہ سائی اور جبہہ فرسائی کی طرح جبین سائی اور جبین فرسائی بھی بولا جاتا ہے اور ان کا ایک ہی مطلب لیا جاتا ہے۔ جن اصحاب نے جبین کے معنی پیشانی لکھے ہیں اس کی تو تاویل کی جاسکتی ہے لیکن جن اصحاب نے متعلقہ آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ "منہ کے بل لٹا دیا" یا "اوندھے منہ لٹا دیا" (تاکہ چھری نیچے کی طرف سے گلے پر چلائی جاسکے)۔ اس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ مولانا بخاری کے دلائل کی روشنی میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان اصحاب کو تسامح ہوا انہوں نے روایتی معنی بیان کر دیئے اور نکتہ زیرِ بحث پر زیادہ تحقیق نہیں کی —— ابھی دیکھتے ہیں کوئی اور بزرگ اپنے دلائل کے ساتھ اس میدان میں آتے ہیں یا نہیں۔

(دعاگو و دعاجو طالب ہاشمی غفرلہٗ لاہور)

مکتوبِ لندن: گذارش ہے کہ استعماری قوتوں کی عالمِ اسلام کے بارے میں ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ مسلمان ممالک میں سے افراد چن کر پروپیگنڈہ کے زور سے زندگی کے مختلف شعبوں میں انہیں آگے لایا جاتا ہے اور پھر ان کے ذریعہ یہ استعماری قوتیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اور اس کے مختلف شعبوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کی مثال اس وقت سامنے ہے جسے ایک سازش کے تحت نوبل پرائز دیا گیا اور اب عالم اسلام کے سب سے بڑے سائنس دان کے طور پر متعارف کرا کے مغربی طاقتیں اس کے ذریعہ مسلمانوں کی سائنسی سرگرمیوں پر اپنی گرفت رکھنے کے تانے بانے بُن رہی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے نام پر فروری ۱۹۹۳ء کے دوران اسلام آباد پاکستان میں بین الاقوامی سائنس کانفرنس منعقد کرانے کے لیے ان دنوں اعلیٰ سطح پر کام ہو رہا ہے اور اس کانفرنس میں مسلم سربراہوں کی شرکت کی خبریں بھی اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

مغربی طاقتیں، عالم اسلام، بالخصوص پاکستان کو ایٹمی توانائی اور ٹیکنالوجی سے محروم رکھنے میں جس حد تک سرگرم عمل ہیں اس کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام آباد کی اس مجوزہ بین الاقوامی سائنسی کانفرنس کے پس منظر اور اس کی تہہ میں کارفرما سازش کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے، آنجناب سے گذارش ہے کہ بروقت آواز اٹھا کر اس مکروہ سازش کا راستہ روکنے میں اپنا کردار ادا کریں، امید ہے کہ آپ اس عریضہ کو فوری اور سنجیدہ توجہ سے نوازیں گے۔

(منظور احمد الحسینی ، ڈائریکٹر ختم نبوت سنٹر لندن)

کتاب ادب القضاء: الامام ابی العباس احمد بن ابراہیم بن عبدالغنی السروجی (ت ۷۱۰ھ) کی تالیف "کتاب ادب القضاء" پر مفتی شمس العارفین صدیقی نے پانچ سال کی عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد اس کتاب کی تحقیق کا کام مکمل کر لیا ہے نوجوان محقق کو کتاب کے دراسۃ و تحقیق کے سلسلے میں دور دراز کے سفر بھی کرنا پڑے، سعودی عرب کے تقریباً تمام اہم اور بڑے مکتبات سے استفادہ کے علاوہ مصر اور ترکی کا سفر بھی کرنا پڑا۔

جس طرح مؤلف موصوف نے اپنی کتاب کو بیشمار مصادر و مراجع سے اخذ کیا ہے اسی طرح محقق نے بھی کتاب کی تحقیق کے سلسلے میں بڑی تعداد مطبوع و مخطوط کتب سے استفادہ کیا ہے جس کا اندازہ رسالہ میں ملحق فہرس الکتب و الکتابیات سے کیا جا سکتا ہے۔

محقق نے مقدمہ رسالہ قضا۔ پر لکھی گئی ۱۲۱ قدیم کتابوں کا ذکر کیا ہے یہ ایک ایسا عظیم اور قیمتی مجموعہ ہے جو اس سے پہلے کسی نے یکجا نہیں کیا۔ پھر محقق نے ہر ہر کتاب کے مطبوع اور مخطوط ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور مخطوطہ اگر دنیا کے کسی مکتبہ میں پایا جاتا ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اس طرح محقق نے قضاۃ اور کتاب قضاۃ کے لیے کام کا میدان بالکل روشن اور واضح کر دیا ہے، خدا کرے یہ کتاب جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو۔

مولوی محمد ہاشم ، جامعہ عثمانیہ لاہور

بقیہ : تعارف و تبصرہ

جامع، مفید، نافع بالخصوص نوخیز خطیبوں کے لیے تو تیر بہدف ہے ہماری دلی دعا ہے کہ اس سلسلہ کے نقش ثانی و ثالث اور چہارم بھی جلد منظر عام پر آئیں اور نقش اول سے خوب بلکہ خوب تر ہوں۔

محمود الازہر ندوی

گذشتہ سال اردو کی ایک مشہور افسانہ نگار خاتون آگ کا لحاف اوڑھ کر دنیا سے روپوش ہو گئیں' ی یا اس سے کچھ اوپر عمر پائی' افسانے تو بہت لکھے' انداز بیان بہت تیکھا بلکہ زہریلا تھا' مشرقیت تو خیر دور کی چیز ہے' نسوانیت سے بھی ان کو چڑھ سی تھی کمیونسٹوں نے جو ایک اشتہاری قسم کا لٹریچر تیار کیا تھا اور جس کو وہ "نیا ادب" کہا کرتے تھے' جو اب پرانا ہو چکا ہے' بلکہ اس میں پھپھوند لگ چکی ہے - اس کے پیش رو اور تیز رو طبقہ میں موصوفہ بھی تھیں ان کی شہرت آج سے نصف صدی پہلے ایک ایسے افسانہ کی وجہ سے ہوئی تھی جس کو اس عہد کی حکومت بھی برداشت نہ کر سکی اور لاہور یسا آزاد منش اور زندہ دل خطہ بھی ہضم نہ کر سکا' اور ان پر عریاں نویسی کے الزام میں مقدمہ چلا - اس مقدمہ میں جیت برہنہ پسندوں کی اور ہار اخلاقی قدروں کے حامیوں کی ہوئی' دوسرا مضمون جس نے ان کی شہرت کو دھوئیں کی طرح پھیلایا وہ ایک تعزیتی یا تاثراتی خاکہ تھا جو انہوں نے اپنے حقیقی بھائی کی موت پر لکھا تھا اور اس کا عنوان تھا "دوزخی"

ان کے افسانوں کی عمریں بہت مختصر ثابت ہوئیں کچھ دنوں تو ان کے چرچے رہے' مخالف موافق تبصرے نکلتے رہے' اس کے بعد خود ان کی زندگی ہی میں وہ یادوں سے محو ہونے لگے' ان کے نقش قدم پر چند اور مستورات و مکشوفات اپنے قلم کا برہنہ رقص دکھانے منظر عام پر آئیں مگر فن فحش نگاری میں طرح نو ایجاد کرنے والی افسانہ نگار صاحبہ کا رتبہ نہیں حاصل کر سکیں' عربی میں ٹھیک ہی کہا جاتا ہے "**الفضل للمتقدم**"

کہا جاتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اہل قلم اور ادیب اپنی موت کے بعد بھی بہت دنوں زندہ رہتے ہیں' کبھی وہ صدیوں جیتے ہیں' نسلوں پر نسلیں گزرتی جاتی ہیں مگر ان کی نگارشات کی تازگی میں فرق نہیں آتا - متنبی حافظ' اقبال اور غالب کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں' لوگ ان کے اشعار سے اپنی بات کو وزنی بناتے ہیں' ان کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں ان کے مصرع ہر موقع پر دہراتے ہیں - لیکن اس کے برخلاف ایسے بھی ادیب اور اہل قلم ہوتے ہیں جو اپنی طبعی موت سے پہلے مر جاتے ہیں' لوگ چند دن تو واہ واہ کر لیتے ہیں لوگ پھر "تلاش نو" میں دوسرے ادباء کا کلام کی طرف مائل

(بقیہ صفحہ ۳ پر)

ادارہ

بابری مسجد، دریائے امیزون کی وادی، دریائے نیل کے قریب کشتیاں مصر کا قدیم دار السلطنت، نظام شمسی سے پرے ایک سیارے کا مشاہدہ

بابری مسجد کا قضیہ ملک کی سیاست میں ہلچل اور اضطراب کا باعث ہونے کے ساتھ ہندوستان کی علمی اور تاریخی حلقوں میں بھی بحث و نظر کا موضوع بنا ہوا ہے ' اس کے تجزیے اور جائزے کا سلسلہ لامتناہی ہوتا جارہا ہے ' متعدد مقالات و مضامین اور رسائل و کتب میں بھی اس پر مسلسل اظہار خیال ہورہا ہے ' اس فہرست میں نیا اضافہ بار کا کونسل آف انڈیا ٹرسٹ کی کتاب " رام جنم بھومی بابری مسجد ' تاریخی دستاویزات ' قانونی آراء اور فیصلے ' ہے انگریزی زبان میں اسے ونے چندر مصرانے مرتب کیا ہے ' انہوں نے قضیہ کے دونوں پہلوؤں کے متعلق بعض اہم تحریریں جمع کردی ہیں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے ریڈر سوشیل سریواستو نے رام جنم بھومی کے مسمار کیے جانے کے دعوی کو افسانہ محض قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان کے کسی قدیم مورخ اور سیاح نے رام جنم بھومی کا ذکر نہیں کیا حتی کہ ابوالفضل اور ابن بطوطہ جنہوں نے ہندوستان کے متعلق جزئیات تک کو اہتمام سے بیان کیا ہے ' ایسے اہم تاریخی اور مقدس مقام کے بارے میں خاموش ہیں ' فیض آباد کے ۱۷۲۰ سے ۱۸۱۹ تک کے واقعات کو محمد فیض بخش نے مفصل بیان کیا ہے ۔ لیکن ان میں بھی ایسے کسی مندر کی بات نہیں ' خود تلسی داس ' رام جنم بھومی کے وجود و قوع سے بے خبر ہیں ' وشوہندو پریشد کی جانب سے حکومت ہند کو جو کاغذات پیش کیے گئے تھے اس کتاب میں شامل ہیں ' دو اور مقالہ نگاروں بی ' ' گردور سابق ڈائریکٹر ' انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ اور ایس ' پی گپتا سابق ڈائریکٹر الہ آباد میوزیم کے مقالات حیرت انگیز طور پر وشوہندو پریشد کے کاغذات کی نقل ہیں ' لیکن ٹائمز آف انڈیا کی نظر میں یہ اتفاق غیر متوقع نہیں ہے حالیہ برسوں میں اس قضیہ کے متعلق جو اہم اور قابل ذکر تحریریں دستاویزیں اور عدالت کے فیصلے ہوئے ہیں ان سب کا یہ کتاب مجموعہ ہے جو اس کی بڑی خوبی ہے ۔

● حقائق بالآخر ظاہر ہو کر رہتے ہیں ذرہ ذرہ میں ذوق آشکارائی فطرت کا خاصہ ہے چنانچہ علما حضریات اور آثار قدیمہ کی نئی دریافت کے مطابق مصر ہند چین اور عراق و عرب دنیا کی قدیم ترین مہذب و متمدن اقوام میں شامل ہونے کے حق دار ہوئے اب شکاگو کے فیلڈ میوزیم کے ماہرین آثار

قدیمہ نے دعوی کیا ہے کہ انھوں نے دریائے آمیزون کی وادی میں ایک ایسی تہذیب کا سراغ پالیا ہے جو میکسیکو پیرو اور مایا تہذیبوں سے ہزاروں سال پہلے عروج پر تھی ' دریائے آمیزون میں مچھلی اور صدف کی غیر معمولی فراوانی اس تہذیب کے عروج کی بنیاد تھی ' وادی آمیزون کے موجودہ نہایت گھنے جنگلوں کی تاریکیوں میں ایسے قدیم نقوش محفوظ رہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وادی سے نہ جانے کتنے کارواں گذرے ہوں گے ۔ وادی کی مٹی وادی سندھ و نیل کی مٹی سے مشابہ ہے جو کثیر آبادی اور اجتماعی معاشرت کی تکوین و تشکیل کا باعث بنی ' یہاں ایسے منقش گلی ظروف بھی پائے گئے ہیں جو اس تہذیب کی داستان سنانے کے علاوہ اس کی تاریخی توقیت یعنی تقریبا آٹھ ہزار برس پہلے کا تعین بھی کرتے ہیں ' دنیا کے اس سب سے بڑے دریا کی گزراب کے اردگرد موہن جوڈارو جیسی بستیوں کا امکان ماہرین کے ذوق تجسس کیلئے مہمیز کا کام کررہا ہے ۔

سرزمین مصر بھی آثار قدیمہ کے شیدائیوں کی پسندیدہ آماجگاہ ہے گذشتہ دنوں دریائے نیل سے چند میل کے فاصلہ پر چند بڑی کشتیاں برآمد ہوئیں ۔ قاہرہ کے جنوب میں ایک مقام پر بارہ بڑی چوبی کشتیاں ۱۹ سے ۲۰ میٹر تک لمبی دریافت ہوئیں جو تقریبا پانچ ہزار سال پرانی ہیں قاہرہ کے روزنامہ الاخبار میں ان کشتیاں کو مصر کی قدیم ترین شاہی کشتیوں کا ایک حصہ بتایا گیا ہے ماہرین کی نظر میں قدامت کے علاوہ تاریخ مصر کے فرعون اول کی غیر معلوم تاریخ کے سراغ ملنے میں بھی یہ بڑی مفید ثابت ہوں گی ۔

مصر کے ایک قدیم دارالسلطنت اور اس AVARIS کی کھدائی کے دوران محکمہ آثار قدیمہ کو یہاں ۳۶۰۰ سال پہلے یونانی تہذیب کے اثرات و باقیات کے شواہد ملے ہیں ایک پختہ اور عالی شان قلعہ دریافت ہوا ہے جس میں دیواری تصویروں کے ایک عظیم الشان سلسلہ کے بعض اجزاء بھی ملے ہیں جو جزیرہ کریٹ کی می نین وال پینٹنگس سے حیرت انگیز طور پر مشابہ ہیں یہ جزیرہ مصر سے تقریبا ۵۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس کے پایہ تخت ہونے کی صورت میں مورخین کا خیال ہے کہ مصر کا حکمراں ہیکساس تھا جس کے معنی بیرونی شہزادہ کے ہیں اب تک یہ خیال عام تھا کہ بیرونی شہزادوں سے مراد موجودہ اسرائیل اور لبنان کے باشندے ہیں لیکن اس جدید تحقیق سے انجیل کی بعض روایات مشتبہ ہوجاتی ہیں ' بعض محققین کی رائے میں جب ہیکساس مصر کا حکمراں تھا تو حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے صاحبزاگان مصر میں متوطن تھے اور یہ خروج بنی اسرائیل سے بہت پہلے کی بات ہے

بہرحال اس نئی کھدائی کے نتیجہ میں اس عہد کی تاریخ پر از سر نو نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

ایک دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ آسٹریا میں کوہ آلپس کی ایک برفیلی چوٹی پر ایک برفانی آدمی کی مسالہ لگی ہوئی لاش ملی یہ چمڑے کے لباس میں ہے ساتھ میں ایک چاقو بھی ہے سائنسدانوں نے پہلے تقریبا چار ہزار سال قدیم بتاتے ہوئے اسے برونز عہد کی ایک نادر دریافت سے تعبیر کیا لیکن اب اس لاشہ کو سائنسدانوں کے خیال سے بھی زیادہ قدیم تصور کیا جارہا ہے ' اس برفانی لاش کے چاقو کی دھار تانبہ کی ہے جو برونز عہد سے بھی قدیم زمانہ کی نشاندہی کرتی ہے۔

عہد رفتہ کے مدفون و مستور خزینوں کی باز یافت کی ایک خبر یہ ہے کہ ہندوستان کے صوبہ ارونا چل پردیش میں ایک چار سو سالہ قدیم بودھ صومعہ سے تقریبا ۹۰۰ کتابت اور مخطوطات کا ذخیرہ برآمد ہوا ہے یہ زیادہ تر مہایانہ بدھ مت کے ملفوظات ہیں اور تبتی زبان و رسم الخط میں ہیں خانقاہ میں اٹھارویں صدی میں ایک کتبخانہ قائم کیا گیا تھا جواب بالکل منتشر اور پراگندہ ہے۔ یہ خزانہ اسی کے غبار میں مستور تھا۔ ایک جانب زمین اپنے بعض رازہائے سربستہ کو مسلسل درس عبرت بناکر پیش کررہی ہے تو دوسری طرف خلائے بسیط علم اشیاء کے وارثوں کو علم و حیرت کی نئی جہات سے روشناس کرتی جاتی ہے حال ہی میں برطانیہ کے سائنسی مجلہ SPECTRUM نے اطلاع دی ہے کہ مانچسٹر یونیورسٹی کے پروفیسر انیڈریولین نے اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ جارڈل بینک کی ۷۶ میٹر ریڈیو دوربین سے نظام شمسی سے پرے ایک ایسے سیارہ کا مشاہدہ کیا جو اپنی نوعیت میں منفرد اور اولین ہے یہ سیارہ لاکھوں کلومیٹر کے فاصلہ پر جس طرح کبھی دور اور کبھی قریب ہوتا ہے اس سے اس کے ساتھی کسی اور سیارہ کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے جو ہماری زمین سے تقریبا دس گنا زیادہ بڑا ہے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ متحرک اور رواں سیارے جسامت میں ہمارے سورج سے کہیں زیادہ بڑے تھے لیکن بعد میں وہ نیوٹرون ستاروں سے متصادم ہوگئے ان کے اندر نہایت طاقتور مقناطیسی زمین ہے فضائے بسیط میں یہ نور کی چادر یا خوشہ نور کی مانند مسلسل گردش میں رہتے ہیں اور جب یہ زمین کے رخ پر ہوتے ہیں اس وقت ریڈیو ٹیلسکوپ ان کی لہروں کے ارتعاش کو محسوس کرلیتا ہے اس نئے سیارے کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں زندگی کا وجود ہے یا نہیں لیکن یہ امید ضرور ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی سیاروں کا وجود ممکن ہے جو شاید حیات انسانی کے لئے موزوں اور سازگار ہوں۔

پروفیسر علامہ ڈاکٹر خالد محمود، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، مانچسٹر

حافظ محمد ابراہیم فانی

تعارف و تبصرہ

ساعتے با اولیاء — از مولانا عبدالقیوم حقانی، صفحات ۲۷۲، قیمت مجلد ۶۶ روپے
ناشر: ادارۃ العلم والتحقیق، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کی راہ اللہ والوں سے ملتا ہے، یہ وہ مبارک لوگ ہیں جن کے پاس پہنچنے والا کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔ اللہ والوں کے اپنے اپنے الوان اور اپنے اپنے مشرب ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی مختلف پیرائے عطا فرمائے اور ہر ایک کو خصوصیات سے نوازا اولیاء اللہ کے قلوب بھی انبیاء کرام کے قلوب کے زیر سایہ رنگ پکڑتے ہیں، مختلف اولیاء کرام کن کن مختلف پیرایوں میں جلوہ گر ہوتے یہ اس دنیا کی ایک طویل تاریخ ہے اتنا وقت کس کے پاس ہو کہ ان سب شخصیات کریمہ سے سیر حاصل مجلس کرے یہ تمنا بھی بر آتی نظر نہیں آتی ـــــ سو پوری زندگی نہ سہی ایک ساعت کے لیے ان کی مجالس میں حاضری دیجیے، پہلے دور میں ان بزرگوں کی صحبت کا سبق دیا جاتا تھا کہ کچھ وقت بھی ان کی صحبت میں گزرے تو یہ زمانہ سالک کے لیے سالوں کی عبادت سے زیادہ نفع مند ہوتا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

عبادت میں اپنے آپ کو اللہ کے حضور جھکایا جاتا ہے، صحبت اولیاء میں اپنے آپ کو اللہ والوں کے سامنے مٹایا جاتا ہے اور اپنے آپ کو مٹا کر عبادت اور عبودیت میں جو لذت ملتی ہے وہ اللہ کے حضور ملا حضورِ قلب جھکنے سے کہیں زیادہ ہے۔

بیسویں صدی کے اس مصروف دور میں "صحبتے با اولیاء" کے لیے وقت کہاں اور جذبہ کہاں؟ میں اس وقت اس تار پہ مضراب رکھنا نہیں چاہتا ـــــ تاہم یہ بات اپنی جگہ حقیقت بلکہ غنیمت ہے کہ "صحبتے با اولیاء" نہ سہی "ساعتے با اولیاء" کے جلو میں کچھ اپنے ایمان کو تازہ کیجیے اور اپنے عمل کو مہمیز دیجیے۔

معروف محقق اور نوجوان سکالر حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی رفیق موتمر المصنفین واستاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ، نے اس زمانے کے اُداس مسلمانوں کو اولیاء کی مجلس میں ایک گھڑی کے لیے لاکر "ساعتے با اولیاء" میں قارئین کو ہزارہا صفحات کی عرق ریزی سے فارغ کر دیا ہے کتاب کیا ہے ـــ پھولوں کا ایک

نہایت قیمتی گلدستہ ہے ، ایک طرح کے پھول اپنی آب وتاب میں کتنی بہار پر کیوں نہ ہوں طالبین کی نظر کو رنگا رنگ کے پھولوں کی رونق نہیں دے سکتے ۔ مولف نے اس کتاب میں رنگا رنگ کے پھولوں کا گلدستہ چنا ہے کہ ہر طالب جہاں چاہے اپنی نظر جمالے ۔

کہاں حضرت خواجہ اجمیریؒ اور کہاں حافظ ابن تیمیہؒ ـــــ کہاں علامہ ابن الجوزیؒ اور کہاں حضرۃ امام غزالیؒ ـــــ کہاں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور کہاں مجدد مأۃ چہاردہم حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ـــــ کہاں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور کہاں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ـــــ ان تمام اکابر کو اختلافِ مشرب اور خدمتِ دین کے مختلف پیرایوں میں یکجا دیکھنا ہو تو اس کتاب کے تین سو صفحات میں دیکھ لیں اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ایک ساعت بھی گذاریں کہ آپ کو اس گھڑی زندگی بدلنے کا ایک پیغام ملے گا اور ان سب کی خدمت میں باری باری حاضری ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہو گی ۔

مولف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس ۲۳ سالہ دورِ نبوت سے برکت لیتے ہوئے اسی کتاب میں تیئس ۲۳ بزرگوں سے گھڑی گھڑی کی ملاقاتیں کرائی ہیں، کتنا اچھا ہوتا کہ آپ اس تاریخی دستاویز میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی آپ کے ساتھ رکھتے اور اپنے اس گلدستۂ علم میں پچیس یا چھبیس پھول رکھتے آئندہ ایڈیشن میں اگر امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ ، شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، اور ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے بھی ایک ایک گھڑی کی ملاقات میسر ہو جائے تو قارئین کرام پھر اس گلدستہ میں کسی رنگ کی کمی محسوس نہ فرماویں گے ۔

یہ چند سطور راقم نے سرائے عالمگیر (ضلع گجرات) کے جامعہ حنفیہ میں جامعہ کے پہلے سالانہ اجلاس کے موقع پر عزیز محترم مولانا عبد القیوم حقانی کے ارشاد پر سپرد قلم کی ہیں مولانا نے لکھنے کے لیے مجھے ابھی ارشاد فرمایا اور میں نے اس گھڑی کو بھی " ساعتے با اولیا " سمجھتے ہوئے ان کی خدمت میں یہ پیش کش کر دی ہے ، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ مرجھائے دلوں کو پھر سے تازگی بخشیں اور اللہ والوں کے حضور ایک ساعت کی مجلس بھی آخرت میں اس قافلۂ حق کے ساتھ جمع ہونے کی سعادت بخشے ۔ (خالد محمود)

سوانح شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان

تالیف : مولانا عبد المعبود صاحب مدظلہ
صفحات : ۴۲۴ قیمت درج نہیں

ناشر : کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

ارشاد باری تعالیٰ ہے لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب ۔ (الآیۃ) قرآن کریم میں خداوند قدوس نے انبیائے کرام کے قصے ذکر فرماتے ہیں تاکہ اہل بصیرت اور خداوندان خرد اس سے عبرت حاصل

کریں۔ ان نفوس قدسیہ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعل ہدایت ہے اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر آنے والی نسلیں معراجِ انسانیت پر پہنچ سکتی ہیں۔

الحمدللہ ایک عرصہ سے امت کی برگزیدہ ہستیوں اور نامور شخصیات کی سیرت و سوانح پر تاریخ کا ایک معتدبہا ذخیرہ محفوظ ہوا ہے اور مختلف اوقات و ادوار میں نابغہ روزگار افراد کے کارہائے نمایاں اور سوانح پر مشتمل عظیم الشان تاریخی مجموعے منظرِ عام پر آ گئے۔

انہی معتبر شخصیات اور عہد ساز افراد میں ایک نام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا ہے جن کی سوانح کو حضرت مخدوم مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ نے کتابی شکل دے کر اہل ذوق اور ان کے معتقدین و تلامذہ کے لیے ایک بہترین مرقع تیار کیا ہے۔ حضرت شیخ القرآن مرحوم برصغیر کی جانی پہچانی شخصیت تھے انہوں نے ایک عرصہ تک قرآن اور تفسیر کی بھرپور خدمت کی اور ہزاروں کی تعداد میں تلامذہ و متوسلین نے ملک و بیرون ملک آپ سے استفادہ کیا۔ قومی و ملی تحریکات میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور اسی وجہ سے آپ کا قائم کردہ ادارہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اپنے مخصوص انداز اور طرز ادا کی وجہ سے آپ کی انفرادی شان اور خصوصیت تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کی کامل اور مکمل سوانح حیات شائع کی جائے، جس میں آپ کی حیات اور حالات زندگی کی عکاسی کی گئی ہو، چنانچہ یہ فریضہ ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ نے جو کہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں اور حضرت شیخ القرآن کے شاگرد اور تلمیذ خاص بھی، انہوں نے عقیدت و محبت میں ڈوبی ہوئی ان کی جامع سوانح ترتیب دی۔

آپ کے حالاتِ زندگی پر آپ کے دارالعلوم کے ترجمان جریدہ "تعلیم القرآن" نے خصوصی نمبر نکالا تھا، جس سے آپ کے معتقدین و متعلقین کا مداوا تو کیا گیا تھا، لیکن حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ نے نئی سج دھج اور نئی آن شان سے آپ کی سوانح ترتیب دی۔ امید ہے تاریخ و سیر سے دلچسپی رکھنے والے خصوصاً اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے ــــ کتاب اپنی معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے، کاغذ اعلیٰ، طباعت بہترین اور مضبوط جلد۔

خطباتِ چشتی تالیف حضرت مولانا عبدالرؤف چشتی مدظلہٗ۔ صفحات ۵۶۰۔ قیمت ۱۵۰ روپے
ناشر: مکتبہ چشتیہ، متصل پل والی مسجد۔ وینس چوک اوکاڑہ پنجاب

حضرت مولانا عبدالرؤف چشتی ملک کے نامور خطیب اور مسلک حقہ کے ترجمان ہیں پیش نظر کتاب سیرتِ مصطفےٰ ؐ پر انکے ۲۵ اعلیٰ خطبات کا دلچسپ مجموعہ ہے ــــ حضرت چشتی صاحب کا ارادہ ہے کہ صرف سیرت رسول ؐ پر ۱۰۰، وقیع اور عظیم خطبات کو منظر عام پر لائیں جلد اول، اس سلسلہ کا نقش اول ہے جو ہر لحاظ سے

(بقیہ صفحہ ۵۶ پر)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

REGD. NO. P-90